سات کھیل

راجندر سنگھ بیدی

سات کھیل

راجندر سنگھ بیدی

مکتبہ اُردُو ادب
بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ لاہور

ان ڈراموں کے سلسلے میں مجھے ایک معذرت پیش کرنا ہے اس لئے نہیں کہ میں نے یہ ڈرامے لکھے ہی کیوں بلکہ یہ کہنے کے لئے کہ ان ڈراموں میں کبھی کبھی کوئی کردار گنگناتا ہے یا قدرے فصیح معلوم ہوتا ہے ——— اور یا پھر ضرورت سے زیادہ سادہ ہے۔

ایک توجیہ ظاہر ہے کہ لوگ روزمرہ زندگی میں گنگناتے ہیں، فصیح ہوتے ہیں اور کہیں کہیں انتہائی سادگی کا ثبوت بھی دیتے ہیں لیکن چونکہ ہمارے ملک کے ناقد کی خواہش ہوتی ہے کہ کردار وہی کریں جو ٹھوس حقیقت پر مبنی ہو اس لئے ان ڈراموں کی بلاغت اور سادگی کے لئے معذرت کی نوبت پیش آتی ہے۔

مثال کے طور پر ٹرام میں دو آدمی باتیں کر رہے ہیں۔ موضوع سخن کسی لڑکی کا اغوا ہو جانا ہے جس کا مطلب ہے کہ بات ڈرامائی امکانات سے خالی نہیں لیکن یہ ستم ظریفی ہر وقت ممکن ہے کہ گفتگو کرتے ہوئے ان دونوں کے درمیان ایک اور سواری آجائے جس نے انہی لوگوں کی طرح ٹکٹ کے دام دیئے ہوں اور اپنی جگہ چھوڑنے سے صاف انکار کر دے یا اس ڈرامائی واقعہ کے مقام عروج پر پہنچنے سے پہلے راوی کچھ دیر کے لئے ایکا ایکی چپ اور اپنے مختصر سے سفر کے بقیہ لمحے سگرٹ سلگانے میں صرف کر دے (آپ جانتے ہیں بس میں ہوا تیز ہوتی ہے) یا اُسے معاً خیال آجائے کہ پالسن کا مکھی جو ابھی کسی بی کے

ڈھوڈی اینڈ سنز سے خریدا تھا، کنجڑے کے ہاں رہ گیا ہے اور وہ گفتگو کا سلسلہ درمیان ہی میں ختم کر دے ...... ظاہر ہے کہ یہ سب حرکتیں اس ڈرامائی موضوع سے الگ ہٹ کر ہوں گی اس لئے چھپ کر سننے والا EAVESDROPPER جب گھر پہنچ کر اپنی بیوی سے وہ قصّہ بیان کرے گا تو نہ صرف پالسن مکھن کے کھو جانے والی بات کو نظر انداز کر دے گا بلکہ اس واقعے کو اس کے منطقی اختتام سے کچھ پرے لے جائے گا۔

تو گویا ان ڈراموں کی تمام فصاحت، بلاغت، سادگی اور عیاری حقیقت سے اتنی ہی دُور ہے جتنا کہ عین ڈرامائی لمحے میں گرفتار انسان کردار و گفتار کے اعتبار سے ایک عام انسان سے مختلف ہوتا ہے۔ ایک خاص موقع SITUATION میں مبتلا آدمی ایک خاص ہی انداز کی حرکت کرتا ہے۔ عام انداز کی نہیں۔

لاہور ۱۹۴۶ء — راجندر سنگھ بیدی

ترتیب

چائلیجہ	۷
تیجھٹ	۳۲
نقل مکانی	۷۰
آج	۱۰۶
رخشندہ	۱۳۶

اس مجموعے کے بیشتر کھیل مصنف نے آل انڈیا ریڈیو کی ملازمت کے دوران میں لکھے ہیں۔ اس لئے انہیں کتابی صورت میں لاتے ہوئے مصنف اس ادارے کی ادب نوازی کا سپاس گزار ہے۔

●

کھیل "تلچھٹ" کا مرکزی خیال PAVALENKO کی ایک کہانی سے لیا گیا ہے۔

چانکیہ

چندرگپت موریہ ، بھارت سمراٹ
چانکیہ ، مہامنتری
درُدھر ، چندرگپت کی رانی
پروتک ، ایک ہمالیائی راجا
انورادھا ، وِش کنیا
راج دوت ، انگ رکھشک، پنڈت اور دوسرے لوگ

وقت : موریہ خاندان کا عروج

اس کھیل میں جہاں ہندی حرف ण کی آواز پیدا کرنی مقصود ہے وہاں حرف ن پر ط ڈال دی گئی ہے مثلاً ـــــ براہمن

پہلا منظر

رات کا پچھلا پہر۔ مہاراج چندرگپت رنواس میں سوتے پڑے ہیں۔ ان کی سنیّا پہ دونوں طرف انگ رکھشکائیں کھڑی ہیں، ایک سندری ستار لے کر آتی ہے اور بہت مدھم سروں میں ساز چھیڑتی ہے معلوم ہوتا ہے کہیں دور سے آواز آرہی ہے ——

جاگو، جاگو راج نریش
تم جاگو دنیا سوئے

مہاراج آہستہ آہستہ اُٹھتے ہیں اور پھر لیٹ جاتے ہیں وہ ابھی اور سونا چاہتے ہیں۔ اُن کے پہلو میں پڑی ہوئی مہارانی دُردھر بھی آنکھیں کھول دیتی ہیں۔ مہاراج جمائی لیتے ہوئے کھڑکی سے باہر چاندنی میں نہاتے ہوئے شہر پاٹلی پتر کی طرف دیکھتے ہیں ——

چندرگپت۔ ابھی کتنی ہی رات باقی ہے۔ دُردھر —— میری رانی اور پاٹلی پتر —— میری راجدھانی دونو کیسے شانت متی نِدرا میں کھوئے پڑے ہیں اور اپنے سپنوں میں اور بھی سُندر ہوگئے ہیں...... لیکن ...... (فیصلہ کن انداز میں) یہ راج سمراٹ کا کرم نہیں کہ وہ تین گھڑی سے زیادہ سوئے

دُردھر۔ (جاگتے ہوئے) مہاراج!

چندرگپت۔ مہارانی جاگ گئیں؟

دُردھر۔ مہاراج! آپ کدھر جارہے ہیں (جماہی لیتی ہیں)

چندرگپت۔ (بیزاری سے) دن بھر کی محنت کے لئے (ہلکی سی ہنسی ہنس کر) سمراٹ چندرگپت کو لوگ جانے کتنا سکھی سمجھتے ہیں۔

درُدھر۔ ابھی بہت لمانی باقی ہے پر یہ ـــــ پڑے رہتے پچکے سے

چندرگپت۔ سنہری تیتر کا راگا ریں پھڑ پھڑانے لگے ہیں۔ تال کے کنارے سوئے ہوئے موروں نے بھی اپنی چونچیں پروں سے نکال لی ہیں ـــــ اور تم مجھے پڑا رہنے کے لئے کہہ رہی ہو، درُدھر...... درُدھر! کتنا انشچت ہے تمہارا پریم! جیسے سوتے میں ششو اپنا ہاتھ جننی پہ رکھ دیتا ہے اور اسے ذرہ بھی ہلنے کی اجازت نہیں دیتا اسی طرح تم بھی اپنا ـــــ

درُدھر۔ ہاں مہاراج! اس کو بھی میری طرح پریم کے چور کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ اس بات کے گیان کو من میں بسائے کر تیاپتر اور ماتا کے پریم میں بادھک ہے وہ آشنکا کا ہاتھ اپنی ماں پہ رکھ دیتا ہے۔

چندرگپت۔ (فتح مندی کے احساس سے) اوہ! درُدھر کی سی سندری کو بھی اپنی وجے میں سندیہہ ہے۔

درُدھر۔ (سرد آہ بھرتے ہوتے) میری سندرتا مُہ تھامنے والا ہاتھ نہ ہوئی۔ آہ! اس بات کا آپ کی درُدھر کو شوک ہے۔

چندرگپت۔ درُدھرے! کہو، تم اپنے پریم کا چور کسے سمجھتی ہو؟

درُدھر۔ یہ میں خود بھی نہیں جانتی پر بھو۔ شاید جاننا بھی نہیں چاہتی، اس پنچھی کی نائیں کی جو گھاتک کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے...... میں اس بھرم میں خوش ہوں کہ آپ مجھے جی سے چاہتے ہیں۔

چندرگپت۔ شاید تمہارا اشارہ انورادھا کی طرف ہے۔ لیکن تم نہیں جانتیں کہ بن نیتی میں پریم کو کچھ نہیں سمجھتا۔

درُدھر۔ نیتی سمراٹ کے لئے ہے مُنشیہ کے لئے نہیں اور مُنشیہ کے لئے پریم ہی سبھی کچھ ہے۔

چندرگپت۔ چندرگپت سمراٹ ہی تو ہے۔

دُردھر۔ رتّی اس سے پرے ـــــ سنگھاسن آپ سے بہت دُور ہے اور تاج دوار سے باہر ایک اٹگ رکھشکا تھامے کھڑی ہے۔ اس وقت شتیا پر آپ کے چرن ہیں اور اُن پر دُردھر کا سیس۔

چندرگپت۔ جس سمراٹ نے اپنے آپ کو بھاؤناؤں میں کھویا۔ اس نے اپنے پاؤں پر آپ پرشا جلایا۔ دُردھرے! مجھے ان سونے کی زنجیروں سے نکلنے دو۔

دُردھر۔ (نراش ہوکر اور غصے میں) چانکیہ کے شش سے اور کسی کو کیا آشا ہوسکتی ہے؟ لیکن چانکیہ نے جیون بھر پریم نہیں کیا نند سے بدلہ لینے کے لئے اس نے کرودھ سے نہ صرف اپنی چُٹیا کھولے رکھی بلکہ اس اگنی میں اپنے آپ کو بھی بھسم کر ڈالا اب وہ انگ کے سوا کچھ بھی نہیں...... کچھ بھی نہیں ـــــ جس طرح وِش کنیا کے شریر میں وِش دھیرے دھیرے بس جاتی ہے اس طرح کرودھ اور بدلے کی آگ اُس کی نس نس میں سلگ رہی ہے وہ تکشک ناگ کی طرح کالا بھجنگ ہے۔ وِش کنیا سمان وہ جسے بھی چھوئے گا جلا ڈالے گا۔

چندرگپت۔ تم یہ سب باتیں اُسے بتارہی ہو جس نے اُس کے ساتھ برسوں تپسیا کی اور جس کی سنگت سے چندرگپت نے پاٹلی پتر کا راج پراپت کیا ـــــ چھوڑو مجھے آج بیلوں کی دوڑ ہے اور میں اپنے مہا نندی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

دُردھر۔ چانکیہ نے منشیہ کی سروآچ ادستھا سے گرا کر آپ کو صرف ایک سمراٹ بنا دیا اس کٹھور براہمن کا ادبھُت شاستر تمام گھرنا اور سندیہہ سے بھرا پڑا ہے۔ پریم سے نہیں۔ اپرادھی کو کشما کر دیتے ہیں جو آنند ہے اُس کی پراپتی اس نے کبھی نہیں کی پریم کے پرم آنند کا اُسے کوئی انوبھو نہیں۔ آپ نے تو جیون میں پریم رس چکھا ہے۔ آپ کے مُنہ کو ایسی باتیں شوبھا نہیں دیتیں۔

چندرگپت۔ چانکیہ کا درشن ایک مہان پنڈت کا تتو گیان ہے جیسے دو اور دو چار ہوتے

ہیں اور ہمیشہ ہوں گے۔ اس طرح چانکیہ کا گیان بھی اٹل رہے گا۔ جن لوگوں کو میں نے کشما کر دیئے کا (طنزا) پرم آنند حاصل کرنے کے لئے چھوڑا انہوں نے ہی میری جڑیں کاٹیں ـــــ چانکیہ کے سدّھانت اپواد نہیں جانتے ـــــ

درُدھر۔ (طنزا) اپواد نہیں جانتے ؟ ـــــ جس سے آپ نے کرودھ وش چانکیہ کو راج دربار سے الگ کیا تو اُسے موت کی سزا کیوں نہ دی ؟

چندر گپت۔ اس لئے کہ وہ برہمن ہے۔ چانکیہ کی مہانتا کا تم اس بات سے اندازہ لگا سکتی ہو کہ راج دربار میں پھر سے مان پاتے ہوئے اس نے میری اس بھول کو جتا دیا تھا

درُدھر۔ میں اسے بھول نہیں کہتی۔ اگر آپ نے اُسے مرتیو دنڈ دیا ہوتا تو پاٹلی پُتر نواسی آپ کے ورُدھ اُٹھ کھڑے ہوتے۔ براہمن کا گھات کون سہن کر سکتا ہے اور اگر آپ چانکیہ کے سچے شِشیہ ہیں تو اب بھی اُسے مار دینا چاہیئے۔ نہ جانے وُہ کب وشواش گھات کر دے۔

(وقفہ)

"ادراج سمراٹ کا کرم نہیں کہ وہ تین گھڑی سے زیادہ سوئے" ـــــ یہ بھی چانکیہ کے ارتھ شاستر میں لکھا ہوگا۔

چندر گپت۔ مجھے اس بات کے مان جانے میں کوئی انہیں مہارانی ـــــ چانکیہ ٹھیک ہی کہتا ہے مجھے گوادھیاکش کے پاس اپنے مہاندی کو دیکھنے جانے دو۔ آج وہ پروتک کے بیل کو ہرا دے گا ـــــ مجھے جانے دو، نیتی میں پریم بھا دایک کمزوری ہے۔

درُدھر۔ پریم جس پر سوراج پاٹ کا بلیدان دیا جا سکتا ہے ـــــ مہاراج ! آپ بھی تو جا دیتے آخر آپ چانکیہ سے اتنے ڈرتے کیوں ہیں ؟ پاٹلی پتر کے مانسروور ایسے تال ان کے اندر ڈبکیاں لگانے والی مچھلیاں، ان کے کنارے ناچنے والے مور، ہاتھی دانت کے ستون، یہ دوڑنے والے بیل، ہاتھی، گینڈے، یہ وشال دیش کس کا ہے ؟

چندرگپت ۔جس طرح یہ محل اوراس کے اونچے اونچے سنہری کلس کلاکاروں کے ہاتھوں سے بن کر سماپت ہوتے لیکن ان کا سوامی چندر گپت ہے ۔اسی طرح نیم اور نیتی کے ستونوں کا رچیتا مہامنتری چانکیہ ہے لیکن ان کو لاگو کرنے والا یا نہ کرنے والا میں ہوں، پریشد اور اسٹھا نہ امانیہ بنائے ہوتے چانکیہ کے ہیں لیکن وہ وہاں میری اچھا انوسار ہیں ... نواد ھیاکش ، اگواد ھیاکش ہست، اسو، رتھ ادھیاکش سب سمراٹ چندر گپت کے اشارے پر ناچتے ہیں ۔

درُدھرا ۔ یہ میں مانتی ہوں پاٹلی پتر کا تاج مہاراج چندر گپت کے سر پر ہے، چانکیہ کے سر پر نہیں لیکن آپ بھوجن تک وہی کرتے ہیں جو چانکیہ نشچت کرتا ہے وہی بستر پہنتے ہیں جنہیں پہننے کے لئے چانکیہ کہتا ہے ـــــ اُسی استری سے پریم کرتے ہیں۔ جس کے ساتھ پریم کرنے کی چانکیہ پریرنا کرتا ہے ـــــ دوسرے شبدوں میں پریم کی بھیک مانگنے کے لئے مجھے اپنا آنچل مہاراج چندر گپت کے سامنے نہیں، چانکیہ کے سامنے پھیلانا چاہیئے۔ (گلا رُندھ جاتا ہے)

نہیں نہیں میں اپنا آنچل اس کالے بھجنگ براہمن کے آگے کبھی نہ پھیلاؤں گی ـــــ میں پریم کے بندھن آپ کے پاؤں میں ڈال دوں گی ۔ آنسوؤں کے ساگر آپ اور آپ کی نیتی کے درمیان بادھک بنا کر پھیلا دوں گی ـــــ

چندرگپت ۔ یوں پگلی نہ بنو، درُدھرا! .... ارتھ شاستر نے مجھے آنسوؤں کے ساگر کو پاٹنا سکھا دیا ہے .... اچھا، میں چلتا ہوں ....

(مہاراج دائیں طرف جاتے ہیں ۔ درُدھرا شَیّا پر اپنا منہ چھپائے سسکیاں لے رہی ہے جب کہ پردہ گر جاتا ہے)

دُوسرا منظر

رنگ بھومی کا وشرانتی ستھان۔ سامنا دروازہ رنگ بھومی میں کھلتا ہے جہاں گو آدھیا کش رتھوں کی دوڑ کروا رہے ہیں۔ دروازے سے لوگوں کی آوازیں آتی ہیں جو کبھی مدھم اور کبھی اونچی ہو جاتی ہیں۔ کبھی کبھی راج دُوت کسی راجے یا راجکمار کے آنے کی خبر دیتا ہے۔ شور میں رتھوں کے دوڑنے کی آواز بھی شامل ہے۔ ایکا ایکی لوگ یوں بول اُٹھتے ہیں جیسے کسی جیتتے ہوئے رتھبان کا جے جے کار کر رہے ہوں۔

(گھنٹے کی آواز)

دُوت۔ راج راجیشور، چکرورتی سمراٹ شریمان مہاراج چندر گپت اور مہارانی دھُردھر رنگ بھومی میں پدھارتے ہیں۔

(شور)

(گھنٹے کی آواز)

دُوت۔ راج راجیشور شریمان مہاراج پردتک اور کماری انورادھا

(زیادہ شور)

(گھنٹے کی آواز)

دُوت۔ راجکمار بندوسار، راجکمار ملیہ کیتو

(شور)

(گھنٹے کی آواز)

دُوت۔ مہامنتری چانکیہ

(بہت زیادہ شور)

اس عرصے میں وشرانتی ستھان میں اَنگ رکھشکائیں ڈری سی کھڑی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی ایک دوسری کو اشارہ کر لیتی ہیں۔ کچھ دیر بعد ہی شور پھر سنائی دیتا ہے اور رتھوں کے پہیوں کی گڑگڑاہٹ اور بھی اونچی ہو جاتی ہے۔

ایک پل بعد چانکیہ وشرانتی استھان میں سامنے دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ دُبلے پتلے اور لمبے انسان ہیں۔ رنگ کالا، گال اندر کو پچکے ہوئے ہیں۔ آنکھوں میں ٹھک اور تجسس کی جھلک ہے ایک ہاتھ سے اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہیں اور دوسرے ہاتھ کے انگوٹھے کو اضطراب کے عالم میں منیوں پر پھیرتے ہیں۔ پھر دونوں ہاتھوں سے سر پر کی لمبی چوٹیا کو گانٹھ دیتے ہیں۔ اور دروازے کی طرف جھانکتے ہیں۔ اَنگ رکھشکاؤں کے پران خشک نظر آتے ہیں ....

تھوڑی دیر بعد مہاراج چندرگپت وشرانتی ستھان کے سامنے دروازے میں کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ابھی تک رنگ بھومی میں بیٹھی ہوئی دُودھر سے باتیں کر رہے ہیں ......

چندرگپت۔ (طفلانہ انداز میں) دونوں ڈھول میں غائب ہیں! ــــــ رتھ اور چاندی! دُرُدھرے کیا تمہیں نظر آ رہا ہے؟

چانکیہ۔ مہاراج! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔

چندرگپت۔ کیا کوئی بہت ضروری بات ہے مہامنتری چانکیہ؟ اس سمے میرا مہانندی رنگ بھومی میں ہے ــــــ وہ دوڑ رہا ہے ــــــ وہ دیکھو وہ تو ڈھول میں غائب ہیں

چانکیہ۔ مہاراج مجھے سمے کے انوسار کچھ پرار تھنا کرنی ہے۔ کچھ دیر کے لئے ادھر وشرانتی ستھان میں آیئے ــــــ ہاں، مہاراج!

(مہاراج اندر آتے ہیں)

چندرگپت۔ آج موسم بھی تو کتنا خراب ہے مہامنتری! سوُریہ اپنا سارا تیج پاٹلی پتر پر ہی ختم کر دے گا کیا؟

چانکیہ۔ یہ پرماتما کی دیا اور ورشا کا انومان ہے۔

چندرگپت۔ ستھان کے کواڑ بند کر لو۔ انگ رکھشکا! خیال رکھنا، کوئی ادھر نہ آنے پائے۔

چانکیہ۔ اس کی دیکھ بھال میں تے پہلے ہی کر لی ہے مہاراج! میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کے مہانندی کو آج وجے پراپت نہیں ہوگی۔

چندرگپت۔ مہانندی کو وجے پراپت نہیں ہوگی؟ —— میرا مہانندی اوشیہ وجی ہوگا! پر ونک کا بیل پہلے ہی چکر میں بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ یہ جیوتش ودیا تم نے کب سیکھی؟

چانکیہ۔ یہ جیوتش نہیں مہاراج! میں یہ سب کچھ اپنی بدھی کے بل بوتے پر کہہ رہا ہوں۔ جو میں نے اتنی تپسیا کے بعد پراپت کی ہے۔

چندرگپت۔ اگر مہانندی رنگ بھومی میں ہار بھی جائے تو کیا ہے۔ مجھے ایک اچھے کھلاڑی کی طرح پر ونک کو بدھائی دینی چاہیئے۔

چانکیہ۔ (زور سے) یہ سنبھو ہے —— یہ نہیں ہوگا، پاٹلی پتر کے مہاراج کو لوگوں کے من کا ویر ہونا چاہیئے۔ یہ اس کے لئے ایسے ہی ضروری ہے جیسے جیون کے لئے سانس لینا۔ دنیا جیتنے والے کا ساتھ دیتی ہے۔ ہارنے والے کا نہیں۔

چندرگپت۔ مہامنتری، ہمیں رنگ بھومی کی وجہ اور پاٹلی پتر کی وجہ دونوں کو گھال میل نہیں کرنا چاہیئے۔

چانکیہ۔ مہاراج! پاٹلی پتر نواسیوں نے آپ کے آنے پر اتنا شور نہیں مچایا جتنا پر ونک کے آنے پر۔ اس بات پر میرا ماتھا ٹھنکتا ہے۔

چندرگپت۔ (ہنس کر) لوگ استھر اور من موجی ہوتے ہیں۔

چانکیہ۔ (لرکھڑاتے ہوئے) مہاراج! آپ نہیں جانتے کہ رنگ بھومی کی وجہ پاٹلی پتر کی وجہ سے کہیں زیادہ مضبوطی ہے .... میں اس وقت آپ کو بڑی خبر سنانے آیا ہوں۔

چندرگپت۔ بڑی خبر! ــــ میں اس کے لئے تیار ہوں۔ ٹھہرو مجھے جھروکے سے ایک دفعہ مہانندی کو دیکھ لینے دو۔

(چندرگپت کے قدموں کی آواز کے ساتھ ہی یک لخت شور سنائی دیتا ہے جیسے انہوں نے کمرے کے بند کواڑ آناً فاناً کھول دیئے ہوں ــــ شور مدھم ہو جاتا ہے گویا مہاراج واپس آتے ہیں)

چندرگپت۔ دوسرے چکر میں بھی مہانندی آگے ہے اور پرودنک کے رتھ کا نشان تک نہیں ملتا۔ ہا ہا ہا ــــ !!!

چانکیہ۔ یہ پرستّا کارن ہے مہاراج! ابھی چھ چکر باقی ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں آپ میرے کھٹن کی چنتا کو جان لیں گے ...... میں دراصل آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مہاراج پرودنک کے کانٹے کو ہمیں ہمیشہ کے لئے دُور کر دینا ہوگا۔

چندرگپت۔ (زمین پر پاؤں مار کر) کیا مطلب ہے تمہارا؟ سب کچھ ہوگا مہامنتری لیکن پرودنک کا بال بھی بینکا نہ ہوگا۔ اس سے پہلے میں نے آنکھیں موند کر تمہاری سب باتیں مانی ہیں لیکن اب میں تمہارے ہاتھوں کٹ پُتلی بننا نہیں چاہتا ــــ میرے کچھ پرشنوں کا اُتر دو ــــ یہ رنگ بھومی، یہ سنہری ستون اور اس کے کلس کس نے بنائے ہیں؟

چانکیہ۔ کلاکاروں نے۔

چندرگپت۔ لیکن ان کا سوامی کون ہے؟

چانکیہ۔ مہاراج چندرگپت۔

چندر گپت۔ اس نیتم اور نیتی کا رچیتا کون ہے؟

چانکیہ۔ داس ——— منتری چانکیہ

چندر گپت۔ ان کالاگو کرنے والا یا نہ کرنے والا کون ہے؟ پر لیشد، اماتیہ دیو ہارک، سمہرت کس کے اشارے پر چلتے ہیں؟

چانکیہ۔ نیتی کے لاگو کرنے والے آپ ہیں۔ سب دیو ہارک آپ کے اشارے پر چلتے ہیں۔ لیکن ان کے بیوہار کے ارتھ جانے بنا آپ ایک پگ بھی نہیں چل سکتے۔ اور ان کے ارتھ جاننے کے لئے داس کو مہامنتری بنایا گیا ہے ——— میں یونہی کچھ بھاوناؤں کے ادھار ایسے نتیجے پر نہیں پہنچ جاتا مہاراج! ——— یہ چانکیہ نیتی ہے۔ ارتھ شاستر نیتی، جس میں کوئی سنکلپ وکلپ نہیں ہوا کرتے ایک راج میں نہیں سما سکتے اور رقطعیت سے ہم جب تک چانکیہ یہاں ہے نہیں سمائیں گے۔

چندر گپت۔ (بلند آواز میں) چانکیہ! میں جانتا ہوں کہ تم راج دربار کے مان کی کچھ برابر پروا نہیں کرتے۔ تم جانتے ہو کہ میں براہمن ہتیا کا پاپ مول لینا نہیں چاہتا۔ لیکن تم بھول میں ہو چانکیہ ———

چانکیہ۔ میں آپ کی بھاوناؤں کو سمجھتا ہوں ورشل! لیکن مجھے اپنے جیون کی پروا نہیں میرا آدرش ایک بڑا راجیہ قائم کرنا تھا۔ سو میں نے اپنے آدرش کو پورا کر لیا ہے۔ مجھے صرف افسوس ہوگا کہ یہ راجیہ نادان ہاتھوں میں جا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور بس ——— جب تک چانکیہ پاٹلی پتر میں موجود ہے وہ پروتک کو یہاں نہیں رہنے دے گا ——— (بلند آواز میں) نہیں رہنے دے گا۔

چندر گپت۔ (کچھ ڈھل کر) تمہیں اچھی طرح سے گیان ہے مہامنتری کہ یونانیوں کے ٹڈی دل اور اس کے بڑے سیناپتی سیلوکس کو پروتک کی مدد سے کھدیڑ دیا۔ تم جانتے ہو کہ نند کو پروتک کی وجہ سے شکست ہوئی۔ دوسرے راجواڑوں کو پروتک کے ساتھ

مل کر ہرا یا۔ کیا تم پرو تک کو میرے ہاتھوں مروا کر مجھے دشنواس گھاتک بھی بنانا چاہتے ہو؟ کیا تمہاری یہ اچھا ہے کہ میں اس نشیہ کے لہو سے ہاتھ رنگوں جس کی وجہ سے میں اس سنگھاسن پر براجمان ہوا؟

چانکیہ۔ جو ہاتھ آپ کے سر پر تاج رکھ سکتے ہیں وہ اُتار بھی سکتے ہیں۔ اگر مہاراج پر وتک ایسا کرنے سے چوک بھی گئے تو اُن سے بڑھ کر کوئی مورکھ نہ ہوگا۔ انہوں نے ایسا نہ کیا تو اُن کا پُتر ملیہ کیتُو اپنے پتا کے ادھورے کام کو پورا کرنے میں تن من لڑا دے گا۔ وہ اسے اوشیہ کرے گا ——— اوشیہ! یہ تو وہ ابھی چھوٹا ہے۔ ہمارے راجکمار بندوسار سے بھی چھوٹا۔

چندر گپت۔ (شاہانہ ضد اور غصے سے) مہامنتری چانکیہ! اس سنسار میں سب کچھ سنبھو ہے لیکن یہ ونک کی موت ان ہاتھوں سے سنبھو نہیں۔ اُس سے میں ایسے ہی پریم کرتا ہوں جیسے اپنے بندوسار سے۔ پر وتک میرے ہی شریر کا ایک انگ ہے۔

چانکیہ۔ جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ وہ آپ کی مرگ نینی انوادھا سے پریم کرتا ہے۔ رنگ بھومی میں انوادھا پر وتک کی اچھا انوسار اس کے داہنی طرف بیٹھی ہے۔ میں شوک سے کہتا ہوں کہ میرے شِشِش مہاراج چندر گپت ابھی تک بھاوناؤں کے سنسار میں براج رہے ہیں۔

چندر گپت۔ ٹھہرو مجھے ایک نظر مہاندری اور رنگ بھومی پر ڈال لینے دو۔
(پھر یک لخت شور بلند ہوتا ہے کیونکہ کمرے کے کواڑ ایکا ایکی کھول دیئے گئے ہیں۔ ایک نظر دیکھنے کے بعد مہاراج کواڑ بند کر دیتے ہیں)

چندر گپت۔ انوادھا ——— ہاں ——— انو، دھا پر وتک کے ساتھ بیٹھی ہے! ——— لیکن مہامنتری چانکیہ مجھے اس بات کی کلپنا سے بھی بھے آتا ہے۔ کہ میں ان ہاتھوں سے یہ اپرادھ کروں۔ یہ کبھی نہیں ہوگا۔ پر وتک کا خون ان ہاتھوں سے نہیں ہوگا۔

اس کے چھتے ہی سے میرے شریر میں ایک کپکپی سا پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ مہا پاپ ہے —— یہ گھور اپرادھ ہے۔

چانکیہ۔ اس پاپ اور پُنیہ کا پھل مجھے لینے دیجئے —— مجھے، جو اس پاپ اور پُنیہ سے اوپر ہے آج سے ہزاروں سال پہلے مہاراج کی طرح ارجن نے بھی اپنا گانڈیو دھرتی پر ڈال دیا تھا۔ اس لئے کہ اُسے رن بھومی میں اپنے ہی بھائی بندھو، باپ دادا نظر آتے تھے۔ لیکن بھگوان کرشن نے گیتا اُپدیش سے اُسے پاپ پنیہ کی اوستھا سے اُوپر اٹھا دیا۔ آج پھر گانڈیو کو دھرتی پر ڈال دیا گیا۔ جس کے لئے میں گیتا نہیں ارتھ شاستر مہاراج کے سمکھ رکھتا ہوں۔

چندرگپت۔ پروتک جو کچھ ہے اپنی سینا کی وجہ سے ہے۔ کیوں نہیں اس کی سینا کو اپنی عقل کے چکرویوہ میں ڈال دیتے؟ اُس کے سرداروں کو سُندر بالاؤں کی بھجاؤں میں دے کر اُن کا باہو بل کیوں نہیں توڑ دیتے؟ اس کے بعد پروتک کا باقی رہ ہی کیا جاتا ہے؟ —— (کانپتے ہوتے) نہیں نہیں! میں پروتک کو مارنے کی کلپنا نہیں کر سکتا۔

چانکیہ؛ مہاراج! ایک بڑے اُدیش کے سامنے پروتک کوئی مُولیہ نہیں رکھتا۔ وہ کیول شطرنج کی ایک گوٹ ہے۔ آپ کو اُنتی کی سیڑھی پر چڑھنا ہے اس کے لئے ایک پروتک تو کیا اگر آپ کو سینکڑوں پروتک بھی مارنے پڑیں تو بھی آپ کو سنکوچ نہیں کرنا چاہیئے۔

چندرگپت۔ (غور کرتے ہوئے) سینکڑوں پروتک! —— اس کے لئے جو ایک پروتک کو مارنے سے بھی گھبراتا ہے۔

چانکیہ۔ آپ نہیں سمجھتے مہاراج! جب آپ کو چھت پر جانا ہوتا ہے تو آپ کو اس بات کا خیال نہیں ہوتا کہ آپ کے پاؤں تلے جو سیڑھی ہے وہ دیودارُد کی ہے یا آبنوس کی۔ سمراٹ کو سرو سریشٹ ہوتے ہوئے اس بات کا خیال نہیں ہونا چاہیئے کہ اس کے پاؤں تلے کھوپڑیاں ہیں یا اینٹ اور پتھر —— !۔ ریہ۔ بہادر معصم آواز میں) اور سمراٹ چندرگپت

کو یہ بھی جاننا چاہیئے کہ دوسری سیڑھی ہمیشہ پہلی سیڑھی سے اونچی ہوتی ہے......

(راج دوت بھاگا ہوا آتا ہے)

راج دوت: مہاراج ــــ مہاراج!

چندر گپت: (گھبرا کر) کہو دوت کیا ہوا کیا خبر لائے ہو؟

راج دوت: (گھبرا کر) مہاراج پانچویں چکر میں مہانندی پیچھے رہ گیا

چندر گپت: مہانندی پیچھے رہ گیا؟ ــــ مہامنتری چانکیہ ــــ

راج دوت: ہاں مہاراج چھٹے چکر میں اس کے منہ سے خون کے ڈھکے آنے لگے۔ اور جب وہ چھٹا چکر سمپورن کر رہا تھا ــــ

چندر گپت: چھٹا چکر سمپورن کر رہا تھا تو ــــ؟

راج دوت: مہانندی گرا اور گرتے ہی اس نے پران دے دیئے ــــ

چندر گپت: پران دے دیئے ــــ مہانندی مرگیا؟ ــــ راج دوت!!

راج دوت: اور اب وہ رنگ بھومی کی داہنی طرف ایک پتھر کے ٹکڑے کی طرح سرد اور سخت پڑا ہے۔

چانکیہ: اور یہ چندر گپت یہ رنگ پریم کی دوسری بلی ہے۔ مہانندی کو کوار گھاس کھلائی گئی جس سے اس کی انتڑیاں کٹ کٹ کر باہر آئیں اور اس نے پران تیاگ دیئے۔

چندر گپت: مہامنتری چانکیہ! کیا یہ نہیں سب کچھ پہلے معلوم تھا ــــ ہمارے پریم میں یہ دوسری بلی کیسے ہوتی؟

چانکیہ: پہلی بلی مرگھنڈی انو را دھا ہے۔

چندر گپت: اوہ چانکیہ! آج سے پہلے میں اپنے آپ کو ایک سمراٹ سمجھتا تھا۔ لیکن مجھے انوبھو ہوتا ہے کہ میں ایک انسان بھی ہوں۔

چانکیہ: اور اسی میں سمراٹ کی ہار ہے۔

چندرگپت: اس سمے مجھے اپنی ہار کا آبھاس دینا اچھا نہیں چانکیہ۔ میرا سب سے زیادہ پیارا مہانندی رنگ بھومی میں مرا پڑا ہے ــــــ دوت کے کہنے کے مطابق "ایک پتھر کے ٹکڑے کی طرح سرد اور سخت!!!" اور پھر انورادھا ــــــ؟ (کچھ سوچ کر)

چانکیہ: پرونک بیچارہ نردوش ہے اگر وہ انورادھا کی سی سندری کو چاہنے لگا ہے۔ تو یہ ایک سوابھاوک بات ہے۔ لیکن انورادھا ــــــ تم انورادھا کو ٹھکانے کیوں نہیں لگا دیتے؟ اُسے کیوں نہیں ختم کر دیتے ــــــ؟ (لہجہ بدل کر) اس وقت سمراٹ چندرگپت بول رہا ہے، چانکیہ!

چانکیہ: (دیوانہ وار ہنستا ہے) پرونک کو مرنا ہوگا ــــــ اور ساتھ انورادھا کو بھی ــــــ سمراٹ چندرگپت! ہا ہا ہا ــــــ!!!

چندرگپت: مجھے بہت زیادہ نہ ڈراؤ۔ چانکیہ! تم جو جی چاہے کرو۔ لیکن میرے ہاتھ کو پرونک کے خون سے بچاؤ، میں تمہاری منت کرتا ہوں۔

چانکیہ: آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے مہاراج! میں عرصہ سے انورادھا کو بس پر پال رہا ہوں اور پرونک اُسے چاہتا ہے ــــــ

چندرگپت: (سخت حیران ہو کر) تم نے یہ کب سے شروع کیا ہے؟

چانکیہ: جب سے آپ پاٹلی پتر کے تخت پر مہاراج پرونک کی مدد سے بیٹھے ہیں.....

چندرگپت: (بلند آواز میں) چانکیہ!

چانکیہ: ہاں مہاراج! انورادھا کی پرونک سے شادی ہو گی۔ اس وقت آپ مہانندی کو مرگھٹ میں لے جانے کے لئے اُٹھے ــــــ

(چندرگپت غم اور فکر میں بسے ہوئے سامنے دروازے کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتے ہیں۔ پیچھے چانکیہ کے پینے تُلے، معصم قدم بڑھتے ہیں ہلکی ہلکی دردناک ٹیون کے ساتھ پردہ گر جاتا ہے)

تیسرا منظر

انورادھا کا گھر — اُس کے یودن کا مادھوی کنج!

سنگار کی چیزوں کے ساتھ ہی پلنگ پڑا ہے جس کے کنارے ایک چراغ تھال میں دھوپ اور بلیاں جل رہے ہیں۔ بلیان کی لو اور انورادھا ایک دوسرے کے متوازی کھڑے ہیں جیسے جیسے انورادھا ہلتی ہے بلیان کی لو بھی ہل جاتی ہے۔

انورادھا انیس بیس کی ایک بے چین یوتی ہے۔ اس کی جوانی سرما کی ٹھنڈی آگ کی طرح ہے — کوئی دُور ہٹے تو جم جائے قریب آجائے تو جل جائے۔ اس وقت انورادھا نے اپنے لمبے لمبے کیش کندھے پر رکھے ہیں۔ یوں معلوم ہوتی ہے جیسے صندل کے پیڑ پر شہد کا چھتہ ہے......... ایک بھنبھناہٹ گنگناہٹ کے ساتھ معطر آواز آتی ہے —

(دھن کیبلی تال کہروا)

آج اس یودن کے مادھوی کنج میں کوکل بول رہا

مدھوپی کہہ پاگل ہوا کتنا پریم پرلاپ

شتھل ہوا جاتا ہردیہ جیسے اپنے آپ لاج کے بندھن کھول رہا

پھل رہی ہے چاندنی چھوی متوالی رات

کہتی کیت ادھر سے بہکانے کی بات کون مدھو مدرا گھول رہا

(دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے جس کے ایک پل بعد ایک انگ رکھشک اندر آتی ہے)

انگ رکھشکا: کماری انورادھا!

انورادھا: کون ہے؟ — ویدیانی تم ہو — کہو کیا ہے؟

انگ رکھشکا: مہارانی درُدھر پدھار تی ہیں ـــــ انہیں آپ سے ملنے کی اچھا ہے۔
انوار دھا: کون ؟ ـــــ مہارانی درُدھر ؟ ...... میرے سو بھاگیہ ! میں آتی ہوں ـــــ
(سب کام چھوڑ چھاڑ دروازے کی طرف بڑھتی ہے اور بڑی عزت سے مہارانی کو اندر لاکر بٹھا دیتی ہے۔ انگ رکھشکا باہر چلی جاتی ہے۔ دروازہ کھلتے ہی دُور سے ہون یگیہ اور منتروں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں)
انوار دھا: مہارانی ! داسی پرنام کرتی ہے۔
درُدھر: انوار دھا ! میں تمہارے درشن کرنے آئی ہوں۔
انوار دھا: (حیرانی سے) میرے درشن ؟ ـــــ (ہنستی ہے) مہارانی میں بڑی بھاگیہ شالی ہوں۔
درُدھر: میں تم سے ایرشا کرتی ہوں انوار دھا یہ جان کر شاید تم بہت حیران ہوگی۔
انوار دھا: ایرشا ؟ مہا سمراٹ چندر گپت کی پتنی ایک تچھ جو انوار دھا سے ایرشا کرتی ہے آپ مجھے بنا رہی ہیں مہارانی !
درُدھر: یہ میرا دُر بھاگیہ ہے کہ تم یوں سمجھتی ہو۔ میں خوش ہوں کماری انوار دھا کہ تم ایک سمراٹ سے نہیں بیاہی جارہیں۔ ایک منتیہ سے بیاہی جارہی ہو ـــــ پروتک سے جو تمہیں دل سے پریم کرتا ہے تم اس شادی پر خوش ہونا ؟
انوار دھا: میں بھلا خوش کیوں نہ ہوں گی، مہارانی !
درُدھر: میرے من میں پروتک کی بہت عزت ہے۔ وہ پریم کرنا جانتا ہے لیکن وہ نہیں جانتا ان چند گھڑیوں میں اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے ......
انوار دھا: (گھبراتی ہے اور اس کے سر کے بال بکھر جاتے ہیں) یہ آپ نے کیا کہا ؟ مہارانی جی ! ان چند گھڑیوں میں اُن کے ساتھ کیا ہونے والا ہے ؟
درُدھر: میں تم پر منتیہ کا بھید کھولنے آئی ہوں انوار دھا ! تم سہاگ کی رات دیکھنے نہ پاؤ گی !

انورادھا: مہارانی جی!

درُدھر: ہاں انورادھا! میں یہ سب کچھ اس لئے کہہ رہی ہوں کہ میں پروتک کو ایک مہان آتما سمجھتی ہوں اور میں نہیں چاہتی تمہارے ساتھ چھو کر وہ مرتیو کو پراپت ہو جائیں۔

انورادھا: میرے ساتھ چھو کر مرتیو کو پراپت ہو جائیں گے ؟..... یہ کیوں ہو جاتے گا۔ مہارانی جی ؟ کیا میں ایسی دُو بھاگنی ہوں کہ میرے انگ سے انگ ملا کر مہاراج میں مہاراج پروتک سے پریم کرتی ہوں اور آپ پریم کو سراُوچ بھاونا سمجھتی ہیں۔ اس پریم کی سوگند دیتی ہوں۔ مجھے سب کچھ کہہ سنا دیجئے اس بات کا کوئی اُپائے بتا دیجئے۔

درُدھر: بھولی لڑکی ——— تم نہیں جانتیں کہ برسوں سے تمہیں کھانے کے ساتھ زہر دیا جاتا رہا ہے اور اب وہ زہر تمہاری نس نس میں دیاپت ہو چکا ہے۔ تمہارے انگ سے انگ ملاتے ہی مہاراج پروتک مرتیو کو پراپت ہو جائیں گے۔ اُپائے یہ ہے کہ تو بیاہ سے یہ بات ان کے کانوں تک پہنچا دے تاکہ وہ اپنے آپ کو بچا سکیں۔ پروتک ابودھ ہیں انہیں اس بات سے سچیت کر دینا چاہیئے۔

انورادھا: (رو کر) اوہ! یہ کس نے کیا ؟ ——— کیا مجھے اب تک زہر پہ پالا گیا؟ مجھے شواس ہے یہ سب کچھ مہاراج چندر گپت نے نہیں کیا ؟

درُدھر: اس زہر کو تمہارے شریر میں دیاپت کرنے والا وہی کشک ہے۔ جسے لوگ مہامنتری چانکیہ کہتے ہیں۔

انورادھا: (سوچ کر ——— اور غصے میں) تبھی میرا دل اور دماغ ایک نہ بجھنے والی اگنی میں جلا کرتے تھے۔ تبھی میری آنکھوں سے ہر سمے ایک جوالا سی نکلا کرتی تھی ———

درُدھر: ہم سب مہامنتری چانکیہ کے ہاتھوں میں کھیلنے والی کٹھ پتلیاں ہیں، کون کہہ سکتا ہے مہانندی کو پروتک نے مارا ہے.....

انورادھا: مہاراج پروتک ابودھ ہیں مہارانی! اُن کے ہاتھوں سے کوئی ایسی بات بنی

نہیں... لیکن مہارانی جی! میں اپنے پریمی کو نہیں مرنے دوں گی۔ میں ہون کنڈ کے پاس پہنچتے ہی مہاراج پرونک کو سب کچھ بتا دوں گی ....
میں انہیں مہامنتری چانکیہ کے پھیلائے ہوئے جال میں نہیں پھنسنے دوں گی ــــــ

دُردھرا: میں اسی بات کا گیان پیدا کرنے کے لئے تمہارے پاس آئی ہوں۔

انورادھا: لیکن مہارانی

دُردھرا: لیکن کیا؟

انورادھا: میں مہاراج پرونک کو بچا دوں گی ـــــ لیکن مہارانی میرا کیا ہوگا، میں جیون میں کوئی سکھ نہ دیکھ پاؤں گی۔ میری کوئی اُمنگ پوری نہ ہوگی۔ ابھی میرا من پریم پر لاب کمر رہا تھا ـــــ اور ابھی ....

(ایک ہلکی سی تھپتھپاہٹ کے بعد دروازہ کھلتا ہے راج دوت اندر آتا ہے۔ ساتھ ہی منتروں اور ہون گیہ کی آوازیں سنائی دیتی ہیں)

راج دوت: کماری انورادھا! ـــــ یہ ہار مہامنتری چانکیہ نے بھیجا ہے۔

دُردھرا: مہامنتری نے جے مال بھیجی ہے۔

انورادھا: (روتے ہوئے) مہامنتری نے وِتیدھو یہ کا سندیش بھیجا ہے۔ پہلی رات ہی دُر بھاگ کی رات ہوگی (جےمال لے لیتی ہے) لیکن مجھ سے کوئی میرا سہاگ نہیں چھین سکے گا ـــــ کوئی نہیں چھین سکے گا۔ مہارانی میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں۔ آپ نے اتنا بڑا اُپکار کیا ہے کہ میں اسے جنم جنم نہیں بھول سکوں گی۔

(انگ رکھشکا آتی ہے)

انگ رکھشکا: مہارانی جی! ـــــ مہاراج آپ کو اور کماری انورادھا کو یاد کر رہے ہیں۔

کماری جی کُنڈ کے قریب پہنچے.....

انورادھا: میری پریکشا کا سمے آگیا—— مہارانی جی!

درُدھر—— چلو انورادھا! بھگوان تمہیں بل دیں!

(کماری انورادھا اور مہارانی درُدھر دروازے کی طرف بڑھتی ہیں۔ پردہ گرنے سے پہلے منتروں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں)

چوتھا منظر

منڈپ

منڈپ کے دائیں طرف لوگ بیٹھے ہیں شاید ان میں ملیہ کیتو اور بندو سار بھی ہیں۔ بائیں طرف منڈپ سے ذرا پرے مہاراج چندر گپت اور مہامنتری چانکیہ ایک تخت پوش پر براجمان ہیں۔ پردہ اُٹھنے پر مہارانی درُدھر مہاراج چندر گپت کے پہلو میں آ بیٹھتی ہیں۔

درمیان میں ہون کنڈ کے دو طرف براہمن گھرت اور سامگری کنڈ میں پھینک رہے ہیں۔ ایک طرف مہاراج پرونک شادی کا سیندوری جوڑا پہنے بیٹھے ہیں آگ کے قریب ہونے کی وجہ سے اُن کا چہرہ بھی سیندوری ہو رہا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کچھ دیر بعد کماری انورادھا جے مال لئے آہستہ آہستہ آتی ہے۔

منڈپ کے چاروں طرف زبردست پہرہ ہے۔

چندر گپت: (انورادھا کو دیکھ کر) چانکیہ

چانکیہ: مہاراج!

چندر گپت: انورادھا —— کیسے شرد رتو کے بادل کی طرح آہستہ آہستہ چلی آ رہی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ کتنی سُندر دکھائی دیتی ہے، کتنی سُندر اور پرونک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

چانکیہ: (استہزا سے) دونوں ہی مل رہے ہیں! (ہنستے ہیں)

(پھر منتروں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں)

انورادھا: (آہستہ آواز میں) مہاراج!

پرونگ: انورادھے!

انورادھا: مہاراج! مجھے آپ سے ایک بات کہنا ہے۔ جو شاید آپ کو آج تک نہیں معلوم۔

پرونگ: کہو پریہ

انورادھا: (رُندھے ہوئے گلے سے) میں یہ سہن نہیں کر سکتی۔ پرماتما میرے سہاگ کو امر رکھے۔ مہاراج! مجھے برسوں سے بس پر پالا جا رہا ہے ——— میں وش کنیا ہوں۔ آپ میرے شریر کو چھوکر ....

پرونگ: (ہنستے ہوئے) .... باؤلی! .... انورادھے! کیا تم سمجھتی ہو کہ پرونگ ان باتوں کو نہیں جانتا؟

انورادھا: مہاراج ——— آپ ان باتوں کو جانتے ہوتے بھی؟ .... مہاراج! مہامنتری چانکیہ آپ کو اپنے راج پاٹ کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں!

پرونگ: (پھر ہنستا ہے) اور یہ پرونگ راج پاٹ کو پریم کی بھینٹ چڑھا رہا ہے۔ انورادھے! آؤ، ان راج پاٹ کے لوبھیوں کو بتادیں کہ پریم پر جیون نچھاور کر نا پرنمی ایک تُچھ وستو سمجھتے ہیں ...... آؤ مجھے اپنے ہاتھ دو ———

انورادھا: مہاراج آپ نے راج پاٹ ....

پرونگ: راج پاٹ کے لئے میں نے لڑنا ملیہ کیتُو کو سونپ دیا ہے .... ملیہ کیتُو اُن سب باتوں کو سمجھتا ہے ———

انورادھا: (آواز بیں رقت ہے) مہاراج! آپ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیتی ہوں ...... مجھ ایسا سہاگ نہ کسی کو ملا ہے نہ ملے گا۔

(پھر منتروں کی آوازیں آتی ہیں۔ انورادھا اپنا ہاتھ پرونگ کے ہاتھ میں دینے سے پہلے اُن کے گلے میں جے مال ڈال دیتی ہے .... پھر

آگ کے سامنے بیٹھے ہونے کی وجہ سے زہر پرونک کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے ——— آناً فاناً پرونک لوٹنے لگتے ہیں)

انگ رکھشکا: مہاراج پرونک لوٹنے لگے!

راج دوت: مہاراج پرونک!

انورادھا: سوامی!

درُدھر: مُنشتا کے اوتار، مہاراج پرونک کی جے! (چندرگپت سے) مہاراج آپ نے دیکھا!

چندرگپت: ہاں مہارانی، میں نے دیکھا (اُٹھ کر) یہ یم پر بلیدان دینے والے پرونک، تیری جے!

چانکیہ: پہرہ دارو، ملیہ کیتو کو گھیرے میں لے لو.... دوپہری!...... ہا ہا!!......
دیوانے...... پاٹلی پتر سمراٹ کی جے!

(منظر پر فوراً پردہ گر جاتا ہے)

کھیل "چانکیہ" کے چند ہندی الفاظ کا ترجمہ ذیل میں دیا گیا ہے

انشچت	بے یقین	ہستادھیاکش	ہاتھیوں کے محکمے کا مہتمم
ششو	بچہ	اسوادھیاکش	گھوڑوں کے محکمے کا مہتمم
جلنی	ماں	رتھ آدھیاکش	رتھوں کے محکمے کا مہتمم
بادھک	حائل	وشرانتی ستھان	آرام گاہ
آشنکا	شک وشبہ	رنگ بھومی	کھیل کا میدان
سندیہہ	شک	انومان	پیش خیمہ
سرواُچ اوستھا	سب سے اُونچی منزل	اسمبھو	ناممکن
کتُل	جھوٹا	استھر	سیمابی، ایک جگہ قائم نہ رہنے والے
کٹھور	سخت دل	اکارن	فضول، بے فائدہ
گھرنا	نفرت	ستیاّ	سچائی
درشٹی	نقطۂ نظر	اماتیہ	مشاورتی وزراء
تتوگیان	فلسفہ	ویوہارک	کارکن
سدھانت	کُلیہ	سمرت	ریاست سے مختار
اپواد	استثنیٰ	ورشل	راجے کا خطاب
مرتیو ڈنڈ	موت کی سزا	گانڈیو	ارجن کی کمان
پریشد	قانون ساز مجلس	چکر ویوہ	نرغہ جس میں کوروؤں کی فوج نے ویر ابھیمنیو کو گھیر لیا تھا
گوآدھیاکش	گائے بیلوں کے محکمے کا مہتمم		
نوآدھاکش	جہازوں کے محکمے کا مہتمم		

اُدّیش	مقصد	مدُھو مدرا	میٹھی شراب
اُنتی	ترقی	بھاگیہ شالی	اچھی قسمت والی
سہنسروں	ہزاروں	ایرشا	حسد
سنکوچ	احتراز	تُچھ جیو	بے بضاعت ہستی
مرگ نینی	ہرن کی سی آنکھوں والی	ابودھ	بے قصور
آبھاس دینا	جتا دینا	سچیت	آگاہ
یُوتی	نوجوان لڑکی	وِدھویہ	بیوگی، ودھاگ
کوکل	کوئل ۔ پنچھی	شرد رتو	سردیوں کا موسم
مدھو	شراب	امر	غیر فانی
کمپت ادھر	کانپتے ہوئے ہونٹ	لوبھی	لالچی

تلچھٹ

ماں، ایک بیوہ عورت جس نے یوگ کو پالا ہے
یوگ، ایک "یتیم" لڑکا
جوتن کی ماں، محلے کی ایک عورت
شری پت رائے، یوگ کا باپ

منظر

ایک معمولی سا کمرہ، جس میں سامان قدرے بے ترتیب پڑا ہے مثلاً ایک کرسی پڑی ہے تو اس کے بازو پر دھوئے جانے والے کپڑے رکھے ہیں۔ پلنگ کے قریب ایک تھال پڑا ہے جس کا مطلب ہے ابھی کسی نے کھانا کھایا ہے لیکن برتن نہیں اُٹھوائے۔ الگنی پہ ایک چھتری لٹکی ہوئی ہے جس کی کانپیں نظر آ رہی ہیں وغیرہ۔

درمیان میں ایک سلائی کی مشین ہے جس کے ارد گرد کترنیں بکھری ہوئی ہیں۔ اس کمرے میں کھڑے ہونے سے نظر رسوئی میں جاتی ہے۔ رسوئی بھی دراصل اُسی کمرے کا ایک حصہ ہے لیکن اسے کھوکھے کی بیکار لکڑی سے کمرے سے علیحدہ کر لیا گیا ہے۔ رسوئی کے پاس سے ایک راستہ سامنے ٹوٹی پھوٹی دیوار کے پاس جا کر رُک جاتا ہے جہاں ایک نالی ہے۔ نالی کے پاس دائیں طرف ایک ٹاٹ لٹکا ہے جس کے پیچھے غسل خانہ ہے۔

پردہ اُٹھنے پر ماں ——— بوگ کی ماں، کتر بیونت میں مشغول نظر آتی ہے روشنی کم ہوتے سے اسے آنکھوں پہ زور دینا پڑتا ہے۔ وہ ستائیس برس کی ایک جوان عورت ہے۔ لیکن بیوگی کی مصیبتوں کے باعث زیادہ عمر کی دکھائی دیتی ہے۔ آج بھی اگر اچھے کپڑے پہنے تو خوبصورت نظر آئے۔

بوگ ایک چودہ سال کا ذہین لڑکا ہے جو کسی بات سے خفا معلوم ہوتا ہے کبھی چارپائی پر بیٹھ جاتا ہے اور کبھی اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

ماں: نہیں بیٹا لوگ! میں تمہیں اتنا پیسہ نہیں دے سکتی.... میں ایک غریب عورت ہوں۔

لوگ: اگر یہی بات تھی ماں۔ تو تم نے مجھے لکھانے پڑھانے کی کوشش ہی کیوں کی تھی؟

یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ تھوڑی بہت شُدبُد حاصل کرنے کے بعد میں چچا کے کارخانے میں نوکر ہو جاتا اور وہاں سپرنگ بنانے کا کام سیکھ لیتا۔

ماں: بیٹا مجھے کیا پتہ تھا ہر دو ہر سے روز میرے لئے نیا پروانہ آئے گا۔

یوگ: نیا پروانہ کیسا؟

ماں: یہی کبھی تمہیں سیر تماشے کے لئے پیسے دینا ہوں گے۔ اور کبھی سکاؤٹنگ کی وردی سلوانے کے لئے پیسے درکار ہوں گے۔ اگر تمہیں رومال کی اتنی ضرورت ہے تو کیوں نہیں ایک سادہ سا.....

یوگ: نہیں ماں مجھے ایک خاص کپڑے کا سکارف چاہیئے۔

ماں: مجھے تمہاری ان ضرورتوں کا کیا پتہ؟ تم دیکھتے ہو۔ میں سارا دن سلائی کرتی رہتی ہوں۔ جب سے بدھوا ہوئی رو رو کر میں نے آنکھیں خراب کر لیں اور اب میری نگاہ سلائی پر نہیں ٹکتی..... میری نگاہیں ایک جگہ جم کر رہ جاتی ہیں۔

یوگ: تو تم عینک کیوں نہیں لگوا لیتیں ماں؟..... اسپتال سے نمبر تو لے آئے تھے۔

ماں: ہاں نمبر تو لے آئے تھے لیکن عینک خریدنے کے لئے پیسے چاہئیں۔

یوگ: اوہ! پھر پیسے.....

ماں: ہاں پیسوں کے بغیر کیا ہو سکتا ہے اس سنسار میں؟

یوگ: ہاں دنیا میں پیسوں کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا؟..... گاؤں میں لوگ ابھی تک گندم لے آتے ہیں یا عورتیں دوکاندار کو کپاس دے جاتی ہیں اور اس کے عوض انہیں آٹا دال اور نمک پیسے سب کچھ مل جاتا ہے..... ہمارے ہاں جو گندم پڑی ہے.......

ماں: ہاں بیٹا! وہاں اس قسم کا تبادلہ ہو سکتا ہے۔ شہر میں لوگ پیسے کے عوض کوئی چیز دے سکتے ہیں۔ اس کے بغیر نہیں.......

یوگ: جوتن کی ماں بیوہ ہے۔ وہ کیسے کمالیتی ہے؟ جوتن کو کبھی کتابوں کے لئے نہیں رونا پڑا اور نہ کبھی......

ماں: (جھڑک کر) خاموش! سوچ کر بات کیا کرو۔ جوتن کی ماں جس طرح پیسے کمالیتی ہے میں اس طرح پیسے نہیں کمانا چاہتی۔

یوگ: (حیران ہو کر) وہ کیسے کمالیتی ہے؟ ——— جوتن کی ماں!

ماں: خبردار آئندہ کبھی جوتن کی ماں کا نام لیا۔ سمجھ گئے؟

یوگ: کیوں ماں۔ جوتن کی ماں کا نام لینا گناہ ہے؟

ماں: ہاں گناہ ہے!

یوگ: (رو کر) میں نہیں جانتا۔ میں کچھ نہیں جانتا مجھے سرکلیف چاہیئے اور سلسلہ حساب نمبر ۲ اور بس...... ماں! انہیں اس کے بعد کچھ بھی لانے کے لئے نہیں کہوں گا۔

ماں: میرے لال۔ تم ہی بتاؤ...... میں کیا کروں۔ کل میں نے جمنا لال کے ہاں سے تولیں اکٹھی کیں۔ ان سے سخت بدبو آتی تھی۔ میں نے انہیں دھویا اور اس کے بعد پچھلے تین مہینے سے اکٹھا کیا ہوا چھان نکالا اور ان کو بیچ ڈالا۔ سوا تین روپے ملے اب تم ہی بتاؤ کر کھانے کے لئے کیا رکھوں، اور تمہارے حساب اور رومال کے لئے کیا دوں......

یوگ: یہ ٹھیک ہے ماں...... پھر...... (منہ چھپا لیتا ہے۔ گویا رو رہا ہے)

ماں: پھر کیا...... تم پھر رونے لگے سودائی!

یوگ: (روتے ہوئے) تم نے کہا تھا نا تمہارا باپ لڑائی سے پہلے بدیس چلا گیا...... اور وہاں مرکھپ گیا۔ اور اس کے جاتے ہی تمہاری ماں صدمے سے مرگئی اور تم نے مجھے لے کر پال لیا......

ماں: ہاں یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے؟

بوگ: میں کئی بار سوچتا ہوں ۔۔۔۔ تم نے مجھے آخر کیوں بچا لیا؟ کیوں اپنا بیٹا بنا لیا؟ تم مجھے مرنے دیتیں تو میں بھوک اور پیاس سے تنگ آ کر مر جاتا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا نا تمہارے دکھ کا کارن تو نہ ہوتا۔

ماں: (لرزتی ہوئی آواز میں) اچھا بیٹا میں نے جو تمہیں بچا لیا ـــــ بڑی بھاری غلطی کی۔ کبھی کسی انسان سے غلطی بھی ہو ہی جاتی ہے۔

(وقفہ ـــــ ایک ٹھنڈی سانس لے کر)

کاش میں ایک بار اپنی کوکھ سے بیٹا جن لیتی ۔۔۔۔۔ چاہے وہ پیدا ہونے کے فوراً بعد مر ہی کیوں نہ جاتا۔ کبھی دوسرے کا بیٹا بھی اپنا ہوا ہے۔ لاکھ کرے کوئی۔

بوگ: (گھبرا کر) یہ بات نہیں ماں ۔۔۔۔ ایسا کرو گی تو میں کہیں چلا جاؤں گا۔

ماں: چلے جاؤ گے تو کیا ہو گا؟ اب بھی کیا تم میرے ہو؟ یہ جو باتیں تم نے کی ہیں ۔۔۔۔

بوگ: (لپٹ کر) نہیں ماں ۔۔۔ میں تیرا ہوں تیرا اور کسی کا نہیں۔ آج میری اپنی ماں بھی آجائے تو میں اس کے پاس نہ جاؤں۔ تم نے مجھے پالا ہے۔

ماں: آئے ہائے۔ میں احسان جتا رہی ہوں نا۔

بوگ: نہیں ماں میں نے یہ کب کہا؟ میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ میری وجہ سے تمہیں اتنا کلیش ہوتا ہے۔ میں بڑا ہو رہا ہوں اور میری ضرورتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ میرا پیٹ کھانے کو مانگتا ہے ۔۔۔۔۔

ماں: بیٹا پیٹ کی بات نہ کرو۔ پیٹ بھر کھانے کے لئے تو ہمارے پاس کمی نہیں ہے ہاں پیٹ کے علاوہ یہ رومال اور کتابیں ۔۔۔۔۔

بوگ: کتابوں کے بغیر بھلا کوئی کیسے پڑھ سکتا ہے؟

ماں: میں نے سنا ہے کہ پڑھنے والوں نے دوسروں سے مانگ تانگ کر کتابیں پڑھی ہیں۔ لائبریریوں میں جا کر کام کیا ہے۔ تمہارے ہی چچا اتنے بڑے کیسے بن گئے؟ ان کے

گھر میں کھانے کو روٹی تھی نہ تن ڈھانپنے کو کپڑا۔ ماں باپ نے انہیں ان کی بُوا کے ہاں گوجرانوالہ بھیج دیا۔ جہاں یہ اپنے چچیرے بھائی کھِلایا کرتے تھے اور روٹی کھا لیتے تھے۔ گھر پڑھنے کے لئے بتی نہ تھی اور تمہارے چچا سڑکوں کی روشنیوں کے نیچے جا جا کر پڑھا کرتے تھے.....

لوگ: ہاں میں سمجھ گیا...... سب کچھ سمجھ گیا۔ دراصل بات یہ ہے کہ تم نے مجھے بہت پیار کیا ہے۔ جب میں نے دودھ کہا تم سے کچھ مانگا ہے تم نے کسی نہ کسی طرح مہیا کر دیا ہے۔ اس سے میری عادت بگڑ گئی...... اب میں جانتا ہوں۔ تم بہت مجبور ہو.....

ماں: ہاں بیٹا۔ میں ان دنوں بہت مجبور ہوں۔ تمہارے سامنے میں گھر دائی بُلواتی رہی اور پیٹ ملواتی رہی۔ میں نے اس دینے سینے پروتے کا کام ہی نہیں کیا اور نہ موزے سینے ہیں۔

لوگ: نہیں ماں..... مجھ سے بھول ہوئی!

ماں: تو اب تم اپنے ماسٹر کو کیا جواب دو گے؟

لوگ: میں کہوں گا میں اسکاؤٹ نہیں بنتا ...... اگرچہ وہ مجھے بہت پسند کرتے ہیں.... انہیں دکھ ہوگا۔ پر ماں جو دکھ تمہیں ہو رہا ہے .....

ماں: اچھا وہ تمہیں اتنا چاہتے ہیں کہ تمہارے سکاؤٹ نہ ہونے پر انہیں دکھ ہوگا؟

لوگ: ہاں ماں۔

ماں: ہاں گھر بھر میں ایک مرد کے نہ ہونے سے یہ کچھ ہو جاتا ہے...... مرد میں قسم کے کام کر سکتا ہے عورت کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ پھر وہ مہینے میں بیس دن بیمار رہتی ہے۔ میں تو روتی ہوں کہ میں عورت کیوں ہوتی؟

لوگ: اس میں تمہارا کیا قصور ہے ماں...... ؟

ماں: نہیں اس میں میرے ہی کرموں کا دوش ہے۔

یوگ: دنیا میں لاکھوں عورتیں ہیں جو راج کرتی ہیں ہیڈ ماسٹر کی بیوی ہے وہ ہیڈ ماسٹرنی ہوگئی۔ پوچھو بھلا اس نے ہیڈ ماسٹرنی بننے میں کونسا کالج پاس کیا ہے۔ ان دنوں گورنمنٹ کی بیوی سکول کی عمارت کا پتھر رکھنے آئی تھی تو . . . . . .

ماں: ہاں بیٹا۔ عورت مرد ہی سے رتبہ پاتی ہے۔

یوگ: ایسا کیوں ہے؟

ماں: کیوں ہے؟ . . . . . جب سے دُنیا بنی ہے ایسے ہوتا آیا ہے۔ مرد کے بغیر عورت کچھ بھی نہیں۔

یوگ: مرد تمہارے بغیر سب کچھ ہیں؟

ماں: ہاں سب کچھ۔

(وقفہ ——— ماں کچھ سنبھل جاتی ہے)

یوگ: تو میں مرد بنوں گا اور سب کچھ ہوں گا۔

ماں: ہاں۔ اور میرے بیٹے کی دلہن آئے گی۔

یوگ: نہیں ماں . . . . . میں اُس کے لئے نہیں۔ تمہارے لئے سب کچھ ہوں گا . . . . .

ماں: جیتے رہو بیٹا! بھگوان تمہیں بہت بڑا آدمی بنائے۔ اچھا تو وہ تمہیں بہت چاہتے ہیں۔ تمہارا اپنا جی بھی چاہتا ہے کہ اسکاوٹ بنوں اور . . . . .

یوگ: واہ! . . . . . تو میں اتنی دیر سے رو کیا رہا ہوں؟

ماں: نہیں بیٹا مجھے ایک بات یاد آگئی میں نے تمہاری شادی کے لئے روپے جمع کرنے شروع کئے تھے۔

یوگ: میری شادی کے لئے؟

ماں: ہاں تمہاری شادی کے لئے . . . . . اور چار پانچ سال میں تمہارا بیاہ ہوگا یا نہیں؟

یوگ: تو اس کے لئے میں آپ کماؤں گا۔

ماں: اچھا اس کے لئے تم آپ کماتے رہنا..... یہ میں نے روپے اکٹھے کرنے شروع کئے تھے..... ابھی تک میرے پاس باون روپے جمع ہوئے ہیں۔ اس سے تم دو مال اور کتابیں ———

یوگ: ..... ماں!

ماں: انہیں جہاں چاہو خرچ کرو۔ میرے پاس یہی پونجی تھی.... جو میں نے تمہارے سامنے بڑی محنت سے جمع کی ہے۔

یوگ: نہیں نہیں ماں.... میں اسے خرچ نہیں کروں گا (خوش ہو کر) لیکن مجھے رومال بنا دو۔ اور باقی پیسے جمع رکھو۔ میری شادی کے لئے نہیں۔ اپنے سردرد کا علاج کرو۔ یہ سردرد جو تمہارا پیچھا ہی نہیں چھوڑتا۔

ماں: اور کتابیں؟

یوگ: میں ایسے ہی پڑھ لوں گا مانگ تانگ کر گلی کی روشنیوں کے نیچے......

ماں: نہیں بیٹا۔ میں یہ نہ ہونے دوں گی۔ تم ضروری کتابیں خرید لو.... اور باقی......

(دروازے پہ دستک سنائی دیتی ہے)

ماں: یہ ہمارے گھر کون آیا؟

یوگ: گونگی ہو گی۔ تم نے اس کے کپڑے سی دیئے ہیں؟ وہ کہہ رہی تھی۔ مجھے دیاس پوجا سے پہلے کہیں پہنچنا ہے۔

ماں: (زانو پہ ہاتھ مار کر) ہائے۔ میں مر گئی! میں نے تو شروع ہی نہیں کیا.... میں اسے بھول ہی چکی تھی!

یوگ: تو اب کیا ہو گا؟

ماں: (گھبرا کر) نہ جانے کیا ہو گا۔ اُسے کیا منہ دکھاؤں گی میں؟

یوگ: میں کہتا ہوں...... ماں تم بیمار بن جاؤ۔ اس چارپائی پر پڑ رہ جاؤ۔ تم نے اس کے
کپڑے کاٹے بھی ہیں یا نہیں؟

ماں: میں کہتی ہوں بالکل بھول گئی تھی اس کے کپڑے۔

یوگ: کسی کے بھی کاٹے ہیں؟

ماں: ہاں چاند کی قمیص کاٹی ہے وہ پڑی ہے.....

یوگ: اٹھو اٹھو...... میں تمہیں مشین رکھ دیتا ہوں۔ تم مشین کے اندر قمیص رکھ
دو۔ بس اس طرح کہ پتہ چلے بخیہ نکالنے کی مہلت نہیں ملی اور پیٹ میں درد
ہونے لگا۔

ماں: نہیں نہیں بیٹا...... یہ بڑی بات ہے۔ میں رات جاگ کر سی دوں گی۔ اور
تھوڑی سی لعنت ملامت سہ لوں گی۔ اس کی مجھے عادت ہوگئی ہے۔

یوگ: جب تم وقت پر کام کر دیتی ہو۔ تو پھر بھی لعنت ملامت ہوتی ہے؟

ماں: لوگ میری سلائی کا درزیوں کی سلائی سے مقابلہ کرتے ہیں اور میں اُن ایسا نہیں
سی سکتی۔ اگرچہ درزی ایک قمیص کے اڑھائی روپے تک لے لیتے ہیں اور میں کل
دو آنے سے آٹھ آنے تک لیتی ہوں۔

(پھر دستک ہوتی ہے)

تجھے سے دیکھو تو کون ہے؟

یوگ: (دُور جاتے ہوئے)...... اچھا میں دیکھتا ہوں۔

(ماں سلائی کی مشین چلانے لگتی ہے)

ماں: کون ہے؟

یوگ: (گھبرایا ہوا آتا ہے) ماں..... ماں، یہ جوتی کی ماں آگئی۔

ماں: اُسے ہمارے ساتھ کیا کام آن پڑا؟ بیٹھے بٹھائے یہ کیا مصیبت آگئی؟ میرے

ہاں اس کا آنا جانا اچھا نہیں۔۔۔۔۔۔

یوگ: میں خود نہیں چاہتا وہ ہمارے ہاں آئے۔۔۔ میں اسے روک دوں!

ماں: اس طرح کیسے روکا جا سکتا ہے؟۔۔۔۔ چلو یہ بھی اچھا ہوا گو نگی نہیں آئی؟

یوگ: صاف کہہ دوں گا کہ ماں کو فرصت نہیں۔

ماں: نہیں نہیں۔۔۔ ایسا نہ کہو۔۔۔ (سوچ کر) اچھا اسے آنے دو۔

(جوتن کی ماں اپنے آپ چلی آتی ہے)

جوتن کی ماں: (بہت خوشی سے) یوگ کی ماں!

ماں: ہاں کہو شنتا۔ کہو کیا بات ہے؟

جوتن کی ماں: میں تمہیں ایک خوشخبری سنانے آئی ہوں۔ ایسی بات جو تم نے زندگی بھر نہیں سنی ہوگی۔

ماں: ہمارے لئے کیا خوشخبری ہو سکتی ہے؟ لاٹری ہم نے نہیں ڈالی اور۔۔۔۔۔۔

جوتن کی ماں: لاٹری سے بڑھ کر بات ہے۔

یوگ: تم ایسے ہی باتیں کرتی ہو جوتن کی ماں۔ جانے کیا ہو جائے گا۔ اور جب اصل بات ہوتی ہے تو صحن سے رہ جاتے ہیں سب۔

جوتن کی ماں: نہیں یوگ، خاص طور پر تمہارے لئے بہت بڑی بات ہے۔ اس سے تمہیں بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اگر میں کہوں کہ آج تم فقیر ہو اور کل راجہ بن جاؤ گے تو تم مان لوگے؟

یوگ: نہیں۔ میں راجہ نہیں بن سکتا اور نہ بننا چاہتا ہوں۔

جوتن کی ماں: لیکن اگر تم راجہ بن جاؤ تو۔۔۔۔

ماں: او ہو۔ راجہ ہی نہ بن جائے کہیں۔۔۔۔۔

یوگ: لیکن ماں کیا کرے گی؟۔۔۔۔ (کچھ یاد آتا ہے) اوہ نہیں۔۔۔۔ ماں میرے ساتھ

جاسکتی ہے۔ راجہ کی ماں بن کر چلو۔ سمجھ لیا میں راجہ ہوں گا۔ ہماری آٹھویں جماعت میں اس طرح کے سوال نکالتے ہیں۔ فرض کیا کہ "لا"، لڑکوں نے اُمرود کھائے ..... ہاں جوتن کی ماں! تمہیں اپنے اَمرودوں کا وعدہ یاد ہے نا؟

جوتن کی ماں: ہاں اچھی طرح سے۔ میں تمہیں اپنے باغ سے ٹوکروں کے ٹوکرے منگوا دوں گی۔

ماں: اوہو، ایکا ایکی اتنی مہربان کیسے ہوگئیں؟ ——— اصل بات کیا ہے؟

جوتن کی ماں: بہت ہی خوشی کی بات ہے۔ لوگ کی ماں! تم دیکھ نہیں رہی ہو میری آنکھوں میں نیر بھر آیا ہے۔ دراصل مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ بات تم لوگوں سے بیان کر سکوں، ہے بھگوان! مجھے اتنی شکتی دے کہ ......

ماں: یہ کیا پاکھنڈ ہے ——— ؟ میں کہتی ہوں کہ سُنا، کوئی بات ہیں اتنا خوش نہیں کہ سکتی کہ ہم اُسے سن کر پاگل ہو جائیں اور نہ کوئی بات اتنا غمگین کر سکتی ہے کہ .....

جوتن کی ماں: لوگ بیٹا!

لوگ: یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ جوتن کی ماں ——— جوتن کیا کہہ رہا ہے؟

ماں: لوگ کی یہ بہت بڑی عادت ہے۔ کہ جو آخری چیز اس کے دماغ میں آتی ہے۔ اُسی کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ باتیں کسی خوشخبری کی ہو رہی تھیں۔ بیچ میں اَمرودوں کا ذکر آ گیا اب امرودوں کا ذکر ہو رہا ہے تو جوتن کا قصہ لے بیٹھے ———

لوگ: ہاں میں کہہ رہا تھا میں اپنے آپ کو "لا" فرض کر لیتا ہوں یعنی راجہ!

جوتن کی ماں: فرض کرنے کی کوئی بات نہیں۔ تم اب سچ مچ راجہ ہو!

ماں: اور میں

لوگ: تم راجہ کی ماں۔

جوتن کی ماں: راج ماتا!

ماں: اچھا چلو کیپ ختم ہوئی۔ اب اصلی بات بتاؤ ــــــ (ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے) ہماری ایسی قسمت کہاں ــــــ؟ ابھی کل ہی کیرل وویا کا ایک پنڈت آیا تھا اس نے کچھ ہندسے لکھے اور اصل پنڈیں ہم ہ کا نون (قانون) ہسکے جمع کرائے اور اُسے تین پر تقسیم کر دیا سب کچھ تقسیم ہوگیا ــــــ جس کا مطلب تھا لا بھی کی بجائے اُلٹا نقصان ہوگا۔ میں ان باتوں کو مانتی نہیں پر ......

جونن کی ماں: بات یہ ہے کہ یوگ کا باپ زندہ ہے!

ماں: (حیران ہوکر) سچ! میری سوگند!!

یوگ: میرا باپ کہاں سے آگیا؟

جونن کی ماں: تمہاری سوگند! یوگ کی ماں! ــــــ یوگ کا باپ زندہ ہے!

ماں: ارے سچ سچ کہو۔ جونن کی ماں ...... میں تو کانپنے لگی!

جونن کی ماں: مجھے اپنے جونن کی سوگند ــــــ زندہ ہیں۔ لڑائی کے شروع ہوتے ہی وہ پلیس میں قید ہوگئے یا نظر بند کر دیئے گئے۔ کچھ ایسی ہی بات ہے ــــــ

یوگ: تمہیں کوئی چھٹی ملی ہے جونن کی ماں؟

جونن کی ماں: وہ خود جو مل گئے تو چھٹی کی کیا ضرورت ہے؟

ماں: ــــــ دیکھو ــــــ مذاق نہ کرو کر مشنا میں بے ہوش ہو جاؤں گی ــــــ یہ ہاتھ رکھو ادھر دیکھو ــــــ میرا دل کیسے دھڑک رہا ہے ......

جونن کی ماں: آئے ہائے تمہارا کیا خیال ہے میں یونہی جونن کی سوگند لیتی پھرتی ہوں۔ یہ اُن میرے پاس دھرا ہے۔ اس پہ ہاتھ رکھ کر کہتی ہوں یوگ کے پتا آئے ہوئے ہیں اور وہ شری پت پہلے شری پت نہیں رہے۔ بہت بدل گئے ہیں ــــــ انہوں نے بہت دولت کمائی ہے۔

یوگ: نہیں جونن کی ماں ــــــ میرے پتا جی؟ چھ سات برس کے بعد؟ نہیں یہ

سب مذاق ہو رہا ہے۔

ماں: ارے ٹھہرو تو جوتن کی ماں سے، وہ ہیں کہاں؟

جوتن کی ماں: وہ صبح سے میرے گھر ٹھہرے ہوئے ہیں۔

ماں: تمہارے گھر ــــــ تمہارے گھر کیوں؟ تم نے جان بوجھ کر انہیں ادھر نہیں آنے دیا ہوگا .... میں جانتی ہوں کیسی؟

جوتن کی ماں: کیوں؟ میرے گھر کیا ہے؟ تمہارا گھر بھی کوئی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ میرے ہاں میز ہیں، کرسیاں ہیں، شیشے ہیں، پلنگ ہیں اور ہر قسم کا سامان ہے جو ایک اچھے گھر میں ہونا چاہیئے۔ انہوں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ اچھی سے اچھی جگہ دیکھی ہے۔ اُن کے آنا رنے کے لئے بھی کوئی اچھی جگہ ہونی چاہیئے۔

ماں: ــــــ چلو ــــــ میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں ــــــ نہیں میں کانپ رہی ہوں۔۔

یوگ بیٹا! یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ شاید اس بات کا کیا نتیجہ نکلے؟ ــــــ

(جوتن کی ماں سے) تو وہ تمہارے ہاں صبح سے آئے ہوتے ہیں! یہ ٹھیک ہے۔ وہ اچھا گھر ہے لیکن یہ بھی کوئی بات ہے بھلا، پنچھی آسمان بھر میں اُڑتا پھرتا ہے۔ وہ زمین پر اپنے گھاس پھونس کے گھونسلے کو نہیں بھول جاتا۔

(وقفہ ــــــ پھر یوگ سے)

یوگ بیٹا ــــــ تم اپنے پتا کو لے آؤ۔

جوتن کی ماں: تم کیوں نہیں ادھر چلی جاتیں۔ اگر وہ بیٹھیں گے کہاں؟

ماں: جہاں بھی بیٹھیں۔ انہیں پہلے اپنوں کو ملنے کے لئے آنا چاہیئے تھا۔

جوتن کی ماں: میں نے اپنے ہاں اتار لیا تو اس میں گناہ کیا ہوا؟ میں سمجھتی ہوں میں نے اچھا کام کیا۔

ماں: گناہ کوئی نہیں جوتن کی ماں ــــــ لیکن تم کسی سے بھی پوچھو سب کہیں گے

کہ اُسے پہلے اپنوں سے ملنے کے لئے آنا چاہیئے تھا اور پھر ....

جوتن کی ماں: ہو تم ہو ایک تم بھی اس کے اپنوں میں سے ہو گئیں!

ماں: (صدمہ زدہ) ہاں! میں اس کے اپنوں میں نہیں لیکن یوگ تو ہے! ..... میں نے یوگ کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کیا ہے، میں ....

یوگ: ماں میں انہیں جا کے لے آتا ہوں۔

جوتن کی ماں: انہیں وہیں رہنے دو یوگ بیٹا! ــــــ اپنی ماں کو لے جاؤ۔

ماں: نہیں میں نہیں جاؤں گی ــــــ میں ان کی کون ہوتی ہوں؟ انہیں میری عزت کے لئے یہاں آنا چاہیئے۔ میں ایک بدھوا عورت ہوں۔ مجھے پرائے مردوں کو ملنے کے لئے ایسے نہیں چلے جانا چاہیئے۔

یوگ: میں جاتا ہوں ــــــ لیکن مجھے بھی شرم آتی ہے۔ مجھے رونا آجائے گا۔

جوتن کی ماں: اس میں شرم کی کیا بات ہے؟

یوگ: نہیں نہیں ــــــ میں جاؤں گا (خوشی میں) میرے پتا جی آئے ہیں، میرے پتا جی ....

(دبا تا ہے اس کی آواز بڑی تیزی کے ساتھ دور ہٹتی جا رہی ہے)

جوتن کی ماں: ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں بہن؟

ماں: یہی کہ پرائے مردوں سے ملنے کے لئے مجھے ایسے نہیں چلے جانا چاہیئے۔

جوتن کی ماں: پرائے مرد تمہارے یہاں بے شک آجاتیں؟

ماں: نہیں ــــــ وہ یوگ کے پتا ہیں ان کے سوا اور کوئی نہیں آسکتا۔

جوتن کی ماں: جیسے تمہیں ان کے پاس جانے سے شرم آتی ہے ایسے ہی انہیں بھی .....

ماں: نہیں ہم دونوں کی بات ایک سی نہیں۔

جوتن کی ماں: میرا اب بھی خیال یہی ہے کہ تمہیں ادھر چلے جانا چاہیئے۔ وہ ایک پل میں

اِدھر پہنچ جائیں گے۔ تب تک تمہارے ہاں صفائی بھی نہیں ہوئی ہوگی۔ یہ دیکھو سب کوڑا کباڑ ـ دیکھو یہ مشین ـــــ کپڑے اور کترنیں اور یہ تصویریں، جیسے پنواڑیوں کی دکانوں پر ہوتی ہیں اور یہ جنتری......

ماں: یہ ٹھیک ہے لیکن یہ میرا گھر ہے.....

جوتن کی ماں: تمہارا ابھی تک خیال ہے کہ میرے گھر جا کر شری پت رائے نے غلطی کی؟

ماں: ہاں ـــــ مجھے اس بات کا گلہ ہے کہ تم انہیں سیدھے ادھر کیوں نہیں لے آئیں؟ اور پھر صبح سے تم نے انہیں اپنے پاس کیوں رکھا ہے؟ میں یہ تو نہیں کہتی کہ اس میں تمہارا کوئی لالچ ہے لیکن یہ بات بنتی نہیں کہ تم.......

جوتن کی ماں: میں نے بُرا کیا کیا؟ آتے ہی وہ نہائے، چلئے پی۔ راستے کی مٹی اتاری۔ تھکان سے ان کی آنکھیں بھاری ہو رہی تھیں۔ اور وہ گرے پڑتے تھے اور پھر....

ماں: لیکن انہوں نے اپنے بیٹے اور پتنی کو یاد نہ کیا؟

جوتن کی ماں: کیا! وہ کمرے میں پاؤں رکھنے سے پہلے روئے۔ لیکن اس بات کا خیال کر کے کہ کسی کا گھر ہے۔ وہ چپ رہے۔ میں نے کہا نا، انہوں نے بہت دنیا دیکھی ہے۔ وہ اچھا بُرا سب سمجھتے ہیں۔

ماں: تم کہتی ہو اس نے اپنی پتنی کو یاد کیا۔ ایسے میں اپنی طبیعت پر کوئی کیسے قابو پا سکتا ہے!.... ٹھنڈی سانس لے کر مرد ایسے ہی پتھر دل ہوتے ہیں ـــــ!

جوتن کی ماں: انہوں نے اور بھی عورتیں دیکھی ہیں جن کے مقابلے پر اُن کی اَن پڑھ گنوار بیوی کچھ بھی نہ تھی!

ماں: چاہے اَن پڑھ گنوار ہو کوئی، پھر بھی..... اور بیٹا!

جوتن کی ماں: بات دراصل یہ ہے کہ بیوی کے مر جانے کا انہیں پردیس ہی میں پتہ چل گیا تھا ـــــ اور بتانے والے نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ تمہارا بیٹا بھی چل بسا ہے۔ حالانکہ

وہ جیتا تھا۔ سو جو اصل رونا دھونا تھا وہ سنتری بپت ما نے پہلے ہی رو دھو چکے تھے۔

ماں: تو پھر وہ اپنے نصیب میں کیوں آئے؟

جوتن کی ماں: کوئی مڑھی سمادھ پہ کیوں جاتا ہے؟ —— اور پھر اپنے دیش کی یاد ......

ماں: میرا دل ابھی تک کانپ رہا ہے!

جوتن کی ماں: تمہارا دل بھلا کیوں کانپ رہا ہے؟ شاید تم سمجھتی ہو کہ وہ ....

ماں: کیا سمجھتی ہوں؟ ......

جوتن کی ماں: (رک کر تُتلا کر) شاید تم سمجھتی ہو کہ وہ (گویا بات پلٹ جاتی ہے) ...... وہ ... یوگ کو لے جائیں گے!

ماں: نہیں نہیں —— اس بات کی مجھے تسلی ہے —— وہ یوگ کو نہیں لے جا سکتے۔ دنیا میں اتنی اندھیر گردی نہیں۔ وہ تو اپنی طرف سے یوگ کو مار چکے تھے۔ اور اگر میں یوگ کو لے کر نہ پال لیتی تو نہ جانے اس کا کیا ہوتا؟ ...... میں نے سات آٹھ سال مصیبتیں سہہ کر یوگ کو پالا ہے۔ پڑھایا ہے ...... تمہیں یاد ہے جب اسے محرقہ بخار ہوا تھا ...... جب اس کا بخار پہلی بار ٹوٹا تو اس نے سخت سی ناشپاتی کھالی اور پھر وہ اکیس دن کے لئے بیمار ہو گیا۔ میں اس کے لئے راتوں جاگتی رہی —— میں آدھی رات کے وقت ہری داس کی سمادھ پہ ایک ٹانگ کھڑے ہو کر پرارتھنا کرتی رہی —— بس ......

جوتن کی ماں: تم نے یہ سب باتیں کہہ ڈالیں!

ماں: بس کچھ نہیں جانتی مجھے غصہ آ رہا ہے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ یوگ کو لے جائے اس کے پتا یوگ کے اتنے پتا نہیں جتنی میں —— میں یوگ کی ماں ہوں۔ ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یوگ کی میں کچھ نہ رہ جاؤں؟ وہ سات سال کے بعد آئیں اور

کسی اور کے ہاں ٹھہر جائیں ــــــ اور ...... ؟

جوتن کی ماں: میں اُن کے لئے نئی نہ تھی۔ وہ پہلے بھی مجھے جانتے تھے ...... میں ایک بات پوچھتی ہوں اگر تمہیں یقین ہے کہ وہ یوگ کو نہیں لے جائیں گے تو پھر تمہارا دل کیوں کانپتا ہے ؟

ماں: ــــــ میں نہیں جانتی ــــــ میرا دل کیوں اتنا کانپ رہا ہے ؟

جوتن کی ماں: مثلاً ــــــ میرا دل نہیں کانپ رہا۔

ماں: تم پر کبھی کوئی مصیبت نہیں ٹوٹی۔ تم نے جیون میں سکھ ہی سکھ دیکھا ہے لیکن میں نے ......

جوتن کی ماں: دوسرے کو بھی معلوم ہوتا ہے۔ یوگ کی ماں!

ماں: اچھا میں پوچھتی ہوں ــــــ وہ اپنے بیٹے کے جیتے ہونے کی بات سُن کر بھی تمہارے ہاں بیٹھے رہے۔ اور پھر جیسا کہ تم نے بتایا سو گئے ــــــ

جوتن کی ماں: میں کوئی اتنی مُورکھ تھوڑے ہی ہوں کہ ایک دم انھیں یہ بات بتادیتی ایسے ہی میں تو دھکا لگ جاتا ہے۔ میں نے آہستہ آہستہ انھیں یہ خوش خبری سنائی۔

ماں: پھر وہ خوش ہوئے ؟

جوتن کی ماں: اور نہیں تو کیا۔ ارے میں کہتی ہوں، دیوانے ہوگئے۔ اس سے کہیں زیادہ دیوانے جتنے تم لوگ نظر آتے ہو۔

ماں: بات یہ ہے کہ ہمیں ابھی تک یقین نہیں آرہا ــــــ اچھا! اتنے خوش ہوتے!

جوتن کی ماں: بس اتنے ہی خوش جتنا اب تم ایکا ایکی ہوگئی ہو۔

ماں: میں خوش ہوگئی ہوں ــــــ اچھا! تم نے میرا ذکر بھی کیا؟

جوتن کی ماں: تمہارا ذکر ہ ــــــ اوہ میں بھول ہی گئی۔ زیادہ نہیں تھوڑا بہت ضرور کیا

ہوگا۔ اس کی وجہ یہ بھی کہ میں بہت کام میں لگی رہی۔ پہلے چائے بناتی۔ پھر ان کے نہانے کے لئے پانی گرم کیا۔ پھر انہوں نے کھانا کھایا ——— میں بے کار باتیں کرتی رہی۔ حالانکہ وہ سو رہے تھے۔ پھر.....

ماں: (افسوس سے) اسے اتنے میرا نام بھی نہ لیا؟

جوتن کی ماں: نام تو لیا تھا۔

ماں: یہ سب بے کار ہے۔ بے ہودہ ہے۔ اس میں تمہاری کوئی چال ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی یوگ کا نام لے اور میرا نام نہ لے..... بھلا تم نے ان کی اتنی خاطر داری کیوں کی؟

جوتن کی ماں: (برہم ہو کر) تم ناحق منہ کو آتی ہو یوگ کی ماں! تم اس سے پہلے اشارے اشارے میں اپنا جلاپہ دکھا چکی ہو۔ زیادہ باتیں بناؤ گی تو مجھ سا برا کوئی نہیں ہوگا۔

ماں: نہیں تم لاکھ کہو اس میں کوئی بھید ہے..... تمہارا کوئی حق نہ تھا کہ تم اسے اپنے گھر میں رکھو اور پھر صبح سے شام تک..... میں جانتی ہوں تم کس طرح کی عورت ہو.....

جوتن کی ماں: بس ——— اس سے زیادہ زبان چلائی تو یہ سر کا ایک بال نہ چھوڑوں گی۔ کہے دیتی ہوں۔

ماں: اس سے پہلے تم نے میرے ساتھ کم برا سلوک کیا ہے؟ بدکاری آپ کرتی رہی ہو اور سر میرے تھوپتی رہی ہو۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا تو بھرا بھگوان تو جانتا ہے۔

جوتن کی ماں: (فوراً ڈھیل کر) یوگ کی ماں! آج تمہیں ہوا کیا ہے؟ تم تو اسی نہ تھیں کبھی.......

ماں: (بدستور ہسٹیریا کے مریض کی طرح) ماں میں ایسی نہ تھی لیکن تم نے مجھے ایسا بنایا ہے...... اگر تم نے یہی وطیرہ رکھا تو شاید مجھے اس سے بھی بڑا بننا پڑے۔ شریف انسان کو آزمانا نہیں چاہیئے۔ وہ چپ رہتا ہے۔ لیکن جب وہ بولتا ہے تو...... بہت بولتا ہے۔

جوتن کی ماں: خیال تو کرو...... یوگ کی ماں! شنری پت آتے ہی ہوں گے۔

ماں: میں کیا کروں۔ تم ہی نے یہ اول جلول کہلوائی ہے مجھ سے۔

(دروازے پر آہٹ...... کوئی کھنکارتا ہے)

(ڈر کر) میں جانوں، وہ آ ہی گئے۔

جوتن کی ماں: تو اور کیا...... دیکھو کیسے اٹھار کھا ہے یوگ کو ــــــ! وہ اُٹھ رہا ہے!!

ماں: (گھبرا کر) اب کیا کروں؟...... تمہارے اس کلا کلیش نے چارپائی سے کپڑے بھی اُٹھانے نہیں دیئے۔

یوگ: (بھاگ کر آتا ہے) ماں...... پتا جی...... پتا جی...... ماں ــــــ!

شنری پت: (شرماتے ہوئے) نمستے

ماں: (جھجکتے ہوئے)...... ن...... ن ــــــ نمستے...... آیئے...... آ...... آ...... یئے!

شنری پت: کوئی بات نہیں۔ آپ بیٹھئے...... میں اپنے آپ بیٹھ جاؤں گا...... اس تپائی پہ......

جوتن کی ماں: آپ ہی کا ذکر کیا تھا میں نے...... انہوں نے یوگ کو پالا اور پڑھایا...... اب یوگ اس طرح پُشتو بنا رہتا ہے تو ان کا کیا قصور؟ گھر میں کوئی کمانے والا نہیں۔ سلائی پر ان کی گزر ہوتی ہے۔ یہ بھی شکر ہے بھگوان کا محلے والے پر ماتما سے ڈرتے ہیں اور......

!

مال: جوتن کی ماں۔۔۔۔!

جوتن کی ماں: کیا بات ہے۔۔۔۔ رک کیوں گئیں۔۔۔۔۔!

مال: (گھبرا کر) نہیں بیٹھئے تو سہی۔۔۔۔۔ پھر باتیں ہو لیں گی۔۔۔۔۔ یوگ۔۔۔۔۔ یوگ بیٹا! بات سن۔۔۔۔

یوگ: کہا ہے؟

مال: (دکان میں) جا بازار سے چائے کی پتیاں تو لے آ پیسے اس دھونی کے پلو سے کھول لے۔

جوتن کی ماں: (ہنس کر) تم چائے کی پتیاں بھی نہیں رکھتیں۔

شری پت: نہیں۔ میں ابھی چائے نہیں پیوں گا۔۔۔۔ آپ تکلیف نہ کیجئے۔۔۔۔۔ جی میں چائے۔۔۔۔۔

مال: (کھسیانی ہو کر) ختم ہو گئیں۔۔۔۔ چیز ختم بھی تو ہو جاتی ہے۔

جوتن کی ماں: (نصیحت کرتے ہوئے) ایک بڑا پیکٹ منگوا لیا کرو نا کہو تو میں بھیج دوں؟

مال: نہیں کوئی بات نہیں۔ لوگ اپنے آپ لے آتے گا اسے بھی تو ماں باپ کی خدمت کا موقع دینا چاہیئے۔

جوتن کی ماں: تو کون پیکٹ منگواؤ گی؟

مال: جو چائے کا پیکٹ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ چھوٹا پیکٹ!

جوتن کی ماں: چھوٹے پیکٹ میں تو بس خاک دھول ہوتی ہے۔ میرے پاس ہرے لیبل کی چائے ہے۔

شری پت: میں کہہ رہا ہوں ابھی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ٹھہر کر چائے پی لوں گا باہر جا کر مجھے چائے پینے کی عادت ضرور ہو گئی ہے لیکن۔۔۔۔

جوتن کی ماں: تم سب شام کو کھانا ہمارے ہاں کھانا ...... یوگ کی ماں!

ماں: نہیں بھابی ــــ جیسا روکھا سوکھا ہوگا۔ میں کھلا لوں گی لیکن کسی کے گھر نہیں کھانے دوں گی۔ ...بھگوان نے دوُر کا ساگ سویکار کیا تھا ــــ

شری پت: آپ نہیں جانتیں جنگ میں ہم کیا کچھ کھاتے رہے ہیں؛ بیس بیس دن ٹرینچوں میں پڑے سوکھی زمین کو ترس جاتے تھے۔ یہاں لوگ سمجھتے ہیں۔ ہرے لیبل کے بغیر جاتے ہی نہیں پی جاسکتی ......

ماں: یوگ بیٹا ..... جا پھر چائے لے آ۔

شری پت: یوگ کو میرے پاس رہنے دیجئے اور جائے۔ جوتن کے ہاں سے منگوا لیجئے۔

ماں: اس کی کیا ضرورت ہے ..... میں خود ......

جوتن کی ماں: آتے ہاتے ...... اتنا ہی وہ ہے تو میں تم سے قیمت لے لوں گی چائے تو اچھی پلاؤ نا۔

ماں: (غصے کو دباتے ہوئے) اچھا تو یوگ ان کے پاس رہے گا تم آپ جاؤ اور کچھ پتیاں بھیج دو۔

جوتن کی ماں: (گھبراکر) میں ..... میں (سنبھل کر) اچھا میں جاکر بھجواتی ہوں لیکن شام کا کھانا ....

شری پت: نہیں آپ تکلیف نہ فرمایئے۔ میں نے صبح کا کھانا جو آپ کے ہاں کھالیا۔ اب شام کو ان کے ہاں سہی۔

جوتن کی ماں: (جاتے ہوئے) اچھا ...... اچھا ...... تو میں تھوڑا کسٹرڈ پوڈر بھیج دوں؟

ماں: نہیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ـ

یوگ: میں پتاجی کے لئے سب کچھ بازار سے لے آؤں گا۔

شری پت: نہیں مجھے کچھ نہیں چاہیئے میرے بیٹے۔ آج تمہیں مل کر میں نے سب کچھ پالیا ہے۔ میں سب کچھ کھو چکا تھا۔ میرے پاس چند سکوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن یہ سکے سب کھوٹے تھے۔ آج میں نے رتن، مانک، جواہر سبھی کچھ پالیا ہے آج میرے کھوٹے بھی کھرے ہو گئے۔

ماں: (آنکھیں پونچھتے ہوئے) آپ کو لوگ کا پتہ نہ تھا؟

شری پت: کہاں؟ —— میں سمجھتا تھا۔ اس سنسار میں میرا کوئی نہیں رہا۔ میں تو اس وچار کے ساتھ آیا تھا۔ کہ اپنا دیس ہے چلو دیکھ آؤں اور اپنے پیاروں کی سمادھی پر دو پھول (رک جاتا ہے)۔۔۔۔ (وقفہ) اچھا ہوا میں ادھر آگیا۔ ورنہ میرا ارادہ تھا کہ وہیں ہلڈانگ میں رہ جاؤں سیام میں میرا کالی مرچ اور لونگ کا اجارہ ہے۔

لوگ: کالی مرچ سے بھی کوئی آمدنی ہوتی ہے پتا جی؟ یہاں رتو وہی تو بیوپار کرتا ہے لیکن۔

شری پت: میں اجارہ کہہ رہا ہوں بیٹا ——!

لوگ: ماں یہ اجارہ کیا ہوتا ہے؟

شری پت: تم اُن سے کیوں پوچھتے ہو۔ بات میں نے کی ہے نہ کہ تمہاری۔۔۔۔ تمہاری ماں نے۔۔۔۔۔۔۔

ماں: (شرماتے ہوئے) میں کیا جانوں —— یہ اجارہ کیا بلا ہوتی ہے؟

شری پت: اجارہ ہوتا ہے۔۔۔۔ حکومت سے ایک چیز کا اجارہ لے لینا! میرا مطلب ہے۔۔۔۔۔۔ یعنی میرے سوا سارے ملک سیام میں کوئی لونگ اور کالی مرچ نہیں لا سکتا اور نہ بیچ سکتا ہے۔

ماں: تھوک مال بیچتے ہوں گے نا۔

لوگ: ہاں ہمارے شہر میں کئی دکانوں پر بورڈ لگے ہیں۔ مثلاً ایک پر شیخ رحمت اللہ تھوک فروش۔ پہلے ہم تھوک فروش کا کوئی اور ہی مطلب سمجھتے تھے ——

نثری پت: نہیں نفوک فروش نہیں۔۔۔۔۔ مثلاً کالی مرچ اور لونگ کا نفوک فروش تو وہ ہوتا ہے جو پرچون نہیں بیچتا ـــــ پرچون کا مطلب ہے پیسے پیسے اوڑکے ٹکے کی چیز۔

یوگ: میں بلڈانگ جاؤں گا ـــــ پتاجی۔۔۔۔

نثری پت: ـــــ بیٹا ـــــ دنیا بھر میں جس جگہ میں جاؤں گا تمہیں لے جاؤں گا۔

ماں: لیکن پڑھائی کا کیا کرو گے؟ ـــــ اور تمہاری ریلی کا کیا بنے گا؟

یوگ: پتاجی ـــــ پتاجی ـــــ میں اپنے سکول میں سکاؤٹ ہوں کل ہماری ریلی ہے۔ جس میں چیف جسٹس آئے ہیں وہاں ہمیں انعام بھی ملیں گے۔ مجھے اس کے لئے رومال چاہیئے اور مجھے حساب کی ایک کتاب خریدنا ہے۔

نثری پت: بیٹا! ایک رومال چھوڑ میں تمہیں بیس رومال لے دوں کا کل تم میرے ساتھ جانا۔ میں تمہیں بہت سی اچھی اچھی کتابیں خرید دوں گا! بیٹا! پڑھائی ایسی کوئی دولت نہیں۔ ہمیں ان کا احسان مند ہونا چاہیئے جنہوں نے اتنی تکلیفیں سہہ کر تمہیں علم کی روشنی دلوائی۔ تمہاں ماں مرچکی تھی۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔ (رُک جاتا ہے)

ماں: وہ بے چاری جیتی ہوتی تو آج اپنے لال کو دیکھتی (رُک جاتی ہے) اس کے بعد میں نے ماں بننے کا جتن کیا۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اب بھی کروں گی۔

یوگ: جو کچھ ماں نے میرے لئے کیا پتاجی وہ میں جانتا ہوں یا میرا یہ ماتما!

نثری پت: (ہنس کر) ارے یوگ بیٹا تو بہت عقلمندوں کی سی باتیں کرنے لگا ہے۔۔۔۔۔ (اُسے چومتا ہے) ارے ایسے گھبراتے کیوں ہو؟ ٹھہرو مجھے اپنے گال کے ساتھ گال رگڑنے دو۔

یوگ: (جیسے پرے ہٹ رہا ہے) نہیں پتاجی! مجھے بہت کھردرے معلوم ہوتے ہیں۔ (ہنستے ہیں)

ماں : یوگ کے آنے سے پہلے میرے دن پہاڑ برابر ہو رہے تھے جتنا بھی کام کر و یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ایک پل میں ختم ہو گیا اور اس کے بعد دن ...... یوں پتہ چلتا تھا۔ جیسے کوئی بہت بڑا اجگر منہ پھاڑے آ رہا ہے ...... جو نہ کھاتا ہے اور نہ چھوڑتا ہے ...... پھر یوگ آیا تو کام ہی کام نظر آنے لگا جیسے اُدھڑے ہوئے ...... گچھے میں سے تار نکلتا ہی چلا آتا ہے ......

شری پت : میں آپ کا بہت احسان مند ہوں۔ شاید میں پورے طور سے اس کا بدلہ نہ چکا سکوں۔

ماں : (شک میں پڑتے ہوئے) آپ اس کا بدلہ کیوں چکائیں گے ؟ ...... یوگ جیسے آپ کا بیٹا ہے ویسا ہی میرا

شری پت : ...... نہیں ...... میں آپ کا احسان کبھی نہیں اُتار سکتا۔

(دروازے پر دستک سنائی دیتی ہے)

ماں : اگر آپ برا نہ منائیں تو ایک بات پوچھوں آپ سے ؟ —— پھر مجھے چلتے بنانا ہے پتیاں آگئیں شاید ......

شری پت : بڑے شوق سے پوچھئے ——

ماں : آپ جوتی کے ہاں کیسے چلے گئے ؟

شری پت : یونہی ! ...... اور کہاں جاتا ؟

ماں : آپ کو پتہ نہیں تھا کہ یوگ یہاں رہتا ہے ؟

شری پت : یوگ کے ہونے کا مجھے ابھی پتہ چلا ہے۔

ماں : آپ نے کسی سے نہ پوچھا ؟

شری پت : صرف جوتی کی ماں سے پوچھا تھا۔ اس نے کچھ اس طریقے سے جواب دیا کہ میں نے پہلی اطلاعوں کو درست سمجھ لیا۔ اب یہ ماما کا شکر ہے کہ ......

ماں : آپ جوتن کے گھر والوں کو پہلے جانتے تھے؟
شری پت : ہاں جانتا تھا ـــــ جوتن کی ماں کو جانتا تھا ـ یہ آج سے دس سال پہلے بھی ایسی تھی جیسے آج ہے ـ دراصل کئی عورتیں بوڑھی ہی نہیں ہوتیں ـ بلڈنگ میں ایسی ہی ایک عورت ہے تھئی (THEI) نام کی جیسے اس کے لکڑی کے مکان پر کی بیل پر ہمیشہ بہار رہتی ہے ویسے ہی اس پر ......
ماں : جوتن کی ماں آج سے دس سال پہلے بھی ایسی ہی "آزاد" تھی!
شری پت : ہاں ...... بالکل ایسی ہی ـ
ماں : گویا آپ کو پتا تھا یہ ایسی عورت ہے تو پھر اس کے مکان پر ......
شری پت : بات دراصل یہ ہے ......
یوگ : ماں پھر بازار بند ہو جائے گا مجھے چیزیں خریدنا ہیں ـ
ماں : لو ـ تم پیسے لو اور بازار چلے جاؤ ـــــ
شری پت : ابھی یوگ کو رہنے دیجئے ....
ماں : کچھ کھانے کو بھی لینا آئے گا ـ
شری پت : میں نے کہا نا مجھے کچھ ایسی بھوک بھی نہیں ہے ـ باقی رہی دوسری چیزیں تو کل صبح میں آپکے ساتھ جا کر بلی کے وقت سے پہلے خرید دوں گا کل اتوار تو نہیں؟
ماں : نہیں کل سنیچر ہے ـ
شری پت : اچھا یہ کام ختم ہی کر آتے تو اچھا ہے میرا مطلب تھا کہ اتنی دیر کے بعد ملے ہیں ـ تو ذرا پیار محبت کی باتیں ہو جاتیں لیکن ساری لات پٹی ہے اس کے لئے ......
ماں : تو اچھا .... نہیں اسے نہ جانے دیجئے ..... میرے خیال میں یوگ کو یہیں رہنا چاہیئے ـ

شری پت: یہ تو میں نے پہلے کہا تھا۔
مال: آپ نے ٹھیک کہا تھا۔
شری پت، آپ خفا تو نہیں ہوگئیں ——؟
مال: میں کیوں خفا ہونے لگی ——؟ اُلٹا مجھے خیال ہے کہیں آپ۔۔۔۔؟
شری پت: نہیں میں ایسا آدمی نہیں ہوں۔ مجھ پر جو آدمی الزام لگائے مجھے اس پر رحم آتا ہے وہ ضرور کسی نہ کسی حسد اور بغض کا شکار ہوتا ہے۔
مال: آپ کا مطلب ہے میں نے کرشنا کی بابت جو پوچھا ہے تو۔۔۔۔
شری پت: نہیں نہیں —— میرا کسی خاص بات کی طرف اشارہ نہیں۔ میں اُن کے ہاں ٹھہر سکتا تھا یہ بڑی شہرت والے گھر ہی ہیں، جہاں مجھ ایسے آدمی کو پناہ مل سکتی ہے۔
مال: مجھ ایسے کیوں کہا آپ نے؟
شری پت: ہاں بابا! ایک آدمی جس کے کوئی عورت نہ ہو۔ اور محلے بھر میں جس کی واقفیت نہ ہو اُسے کون ٹھہرنے کے لئے جگہ دیتا ہے؟
مال: آپ میرے ہاں بے کھٹکے آ سکتے تھے۔
شری پت: میں نے پہلے عرض کیا نا کہ مجھے یوگ کی بابت پتہ نہیں تھا اور دوسرے یہ کہ ۔۔۔۔۔ مثلاً مجھے اب بھی کھٹکا ہے۔۔۔۔۔
مال: آپ کو کس بات کا کھٹکا ہے؟
شری پت: نہیں اپنی ذات کی فکر نہیں —— مجھے آپ کا خیال ہے۔
مال: نہیں اس بات کا خیال نہ کیجئے۔ لوگ نہیں جانتے کہ آپ یوگ کے پتا ہیں اور میں اس کی ماں۔۔۔۔۔؟
شری پت: یہی بات تو آپ کے لئے مفید نہیں۔

ماں: لیکن وہ جانتے ہیں میں اُس کی ..... اُس کی ..... سگی ماں نہیں ـــــ

شری پت: سگی ماں ہو تو میں تو مجھے ڈر کاہے کا تھا؟

ماں: اوہ! (وقفہ) ٹھہریئے! میں آپ کے لئے چائے بناؤں ..... آپ ہلکی پیتے ہیں ..... یا ..... سخت .....

شری پت: تیز

ماں: تیز؟ ..... اچھا ..... اچھا ..... (جاتی ہے)

شری پت: یوگ بیٹا! کہو کیا حال ہے؟ میں نے پچھلے چھ سات سال میں بہت دکھ سہے بیٹا! تمہیں اپنی ماں کی شکل یاد ہے؟

یوگ: ہاں پتاجی۔ یونہی تھوڑی تھوڑی۔ اب جو یاد کرنا ہوں تو کبھی ان کی شکل سامنے آجاتی ہے اور کبھی نہیں اور اُن کی شکل اِن کی شکل میں گھل مل جاتی ہے!

شری پت: تمہیں اپنی یہ ماں پسند ہے؟

یوگ: مائیں بھی پسند کی جاتی ہیں بھلا ـــــ؟ ماں تو ایک ہی ہوتی ہے کالی ہو گوری ہو۔

شری پت: (گھبرا کر) ہاں! ماں کے چننے کا اختیار کس کو ہے؟ بیٹا! تم تو بہت سیانی باتیں کرتے ہو۔ ادھر آؤ۔ میرے پاس۔

یوگ: ـــــ اوں ہوں!

شری پت: ارے گھبراتے کیوں ہو؟

یوگ: آپ میرا منہ تو نہیں چومیں گے؟

شری پت: باپ اپنے بیٹوں کا منہ چومتے ہیں۔ اور جو باپ سات سال کے بعد اپنے بیٹے کو ملے اور پھر ایسے بیٹے کو جس کی بابت سن رکھا ہو کہ اس دنیا ہی میں نہیں

یوگ: لیکن میں بہت بڑا ہو گیا ہوں نا؟

شری پت : ارے کتنے بڑے ہو گئے ہو ؟ (پکڑنے کی کوشش کرتا ہے) میرے لئے تو تم کچھ بھی نہیں۔

یوگ : اوں ہوں۔ ماں دیکھ رہی ہے۔

شری پت : (ہنستے ہوئے) دیکھتی رہے۔ وہ دور بیٹھی ہے۔ ارے سنو۔ ماں جب باپ کو بیٹے کا منہ چومتے دیکھتی ہے تو وہ خوش ہوتی ہے۔

یوگ : نہیں پتا جی۔ ماں سن رہی ہے اس کے کان ادھر ہی ہیں۔

شری پت : وہ تو آگ کے پاس بیٹھنے سے اس کا چہرہ لال ہے۔ اچھا میری بات سنو ..... تمہاری ماں کو میں جانتا ہوں۔ اُن دنوں میں باہر گیا تھا — جب یہ بیاہی آئی تھیں۔ بدقسمت بے چاری! ابھی عمر ہی کیا ہے تیس بتیس برس کی ہوں گی۔

یوگ : ہاں یہی عمر ہے۔

شری پت : جو تمہاری ماں سے بہت چھوٹی ہیں — اور یوں بھی .....

یوگ : جو تمہاری ماں کا نام نہ لیجئے اس کا نام لینا گناہ ہے۔

شری پت : لیکن وہ ہر انداز سے .... خیر چھوڑو۔ تم اسے ماں بنانا پسند کرتے ہو ؟

یوگ : ماں تو ہیں ہی۔ بنانے کی کیا بات ہے ؟

شری پت : نہیں بیٹا! شاید تمہیں .... (ماں چائے لے کر آ جاتی ہے)

یوگ : میں کہتا ہوں پتا جی — ماں چائے لے آئیں۔

ماں : آپ ذرا کوٹ ووٹ اتار کر بیٹھ جائیے۔ ہاں لائیے۔ مجھے دے دیجئے۔ کوئی دھوتی ووتی دے دوں ؟ (وقفہ — جس میں دھوتی کی تلاش کرتی ہے) آپ اُدھر جا کر کپڑے تبدیل کر لیجئے اور ذرا آرام سے۔

شری پت : نہیں دھوتی ووتی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہم وہاں ایمرجنسی میں کپڑوں سمیت سونے کے عادی ہو چکے ہیں۔ البتہ مجھے غسل خانہ بتا دیجئے کدھر ہے

میں چائے پینے سے پہلے ......

ماں: وہ باہر آمدے اور بچھے کے درمیان ــــ وہ نالی کے ساتھ۔

شری پت: یہ لیجئے میرا کوٹ

ماں: آپ نے کوٹ کے نیچے صرف بنیان ہی پہن رکھی ہے۔

شری پت: دراصل یہ ملٹری کے انداز میں سلا ہوا ہے۔ اسے کوٹ نہیں کہتے ــــ (جاتے ہوئے) سامنے جیب میں پیسے ہیں ذرا۔

ماں: بے فکر رہیئے یہاں میرے اور یوگ کے سوا اور کون آنا ہے (یوگ سے) تم مجھے چھوڑ تو نہیں جاؤ گے بیٹا؟

یوگ: نہیں چھوڑ جاؤں گا ماں ــــ اُلٹا تم ہی مجھے اُن کے حوالے نہ کر دینا۔

ماں: نہیں میرے لال تمہیں میرے ہاں سے کون لے جا سکتا ہے۔ وہ کیا پوچھ رہے تھے ......؟

یوگ: کہہ رہے تھے۔ میں جانتا ہوں تمہاری ماں کو۔ جن دنوں میں گیا تھا۔ انہی دنوں بیاہی آئی تھیں۔ بدقسمت بےچاری!

ماں: اچھا! مجھ پر ترس کھاتے ہیں۔ بھلے آدمی معلوم ہوتے ہیں...... لیکن جب میں بیاہی آئی تھی۔ تو میں نے انہیں نہیں دیکھا ــــ ہاں تھوڑا بہت دیکھا تھا۔ ......اور کیا کہتے تھے؟

یوگ: کہتے تھے ابھی عمر ہی کیا ہے یہی تیس بتیس برس کی ہو گی۔ میں نے کہا۔ ہاں یہی عمر ہے۔

ماں: اچھا! عمر بھی پوچھی تھی ــــ اور تم نے کہا اکتیس بتیس برس کی ہو گی؟

یوگ: ہاں تو اور کیا۔

ماں: اسے کہاں بیٹا میں دکھوں مصیبتوں کی وجہ سے اس عمر کی نظر آتی ہوں۔ ورنہ

میری عمر ستائیس سال کی ہے بخر

یوگ: کہہ رہے تھے جوتن کی ماں سے بہت چھوٹی ہیں —— اور یوں بھی ......

ماں: —— یوں بھی ......؟

یوگ: اس کے بعد چپ ہو گئے۔

ماں: اچھا میں سمجھ گئی —— جوتن کی ماں چالیس برس سے کم کی کیا ہو گی! اور پھر محلے کے لوگ اسے جس طرح جلتے ہیں تمہیں پتہ ہی ہے۔

یوگ: ہاں ماں مجھ سے کیا چھپا ہوا ہے۔

ماں: کوئی اور بات بھی پوچھی ہو گی؟

یوگ: اور پوچھتے تھے تم اسے ماں بنا ناپسند کرتے ہو؟ میں نے کہا۔ ماں تو ہیں ہی —— بنلانے کی کیا بات ہے۔ اس کے بعد تم چلی آئیں۔

ماں: اچھا ...... (سوچتے ہوئے) ...... بھگوان نے میری سن لی۔ اور تمہارے پتا گھر آ گئے ...... بس میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تمہیں کہیں دیس بدیس نہ لئے پھریں ...... اور اگر تم جاؤ تو تمہارے ساتھ میں بھی جاؤں گی ...... میں اب اکیلی نہیں رہ سکتی کسی سندی کو میرا خیال نہیں آتا ...... میرے دیوریوں میرے نام کی مالا جپتے ہیں۔ وہی تمہارے چچا جو آج کل دلیش کے اگوا بنے ہوئے ہیں جنہوں نے سڑک کی بنسوں کی روشنی میں وِدیا حاصل کی کہتے ہیں گھر کی لاج رکھے بیٹھی ہے اور یوں میرے پہننے کے لئے ایک چیتھڑا تک دینے کو تیار نہیں۔ میں اس جھوٹی لاج کو کیا کہوں ......؟ اس مہنگائی میں جو مجھ غریب کا حال ہوا ہے وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں —— لیکن اب مجھ سے خالی خولی تعریف نہیں سُنی جاتی۔

یوگ: ماں، تم بہت اونچی آواز میں بولنے لگی ہو اور تمہاری آنکھوں میں ......

ماں: نہیں ...... نہیں ......

یوگ: نہیں ماں اب ہمارے اچھے دن آرہے ہیں۔

ماں: ہاں بھگوان بڑی نظر سے سہاتے ...... اوروس بڑی سے پہلے ہی جلنا شروع کر دیا ہے۔

یوگ: وہ جوتی کی ماں ــــ بڑی فضول عورت ہے ......!

ماں: دیکھو تمہارے پتا کتنے مضبوط آدمی ہیں۔ تمہیں بھی اُن ایسا بننا چاہیئے بیٹا لیکن تم ہو کہ دودھ دہی کو منہ نہیں لگاتے اور پتلی جوتی دال کو پیٹ کے جلتے ہو.....

دیکھو اُن کے بازو...... ان میں کیسی مچھلیاں سی نظر آتی ہیں اور کتنا......

یوگ: کیا پتہ پتاجی میری عمر میں مجھ ایسے دُبلے پتلے ہوں ــــ ماں! پتا جی کی چھاتی پر اتنے بال کیوں ہیں؟

ماں: مردوں کے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جب تم جوان ہوگے تو تمہاری چھاتی پر بھی بہت سے بال ہو گے۔ لو وہ آگئے۔

شری پت: (قریب آتے ہوئے) آپ نے چائے پینی شروع کر دی ہوتی۔

ماں: آپ کے بغیر ہی؟

شری پت: اوہ ــــ اور یہ سنتو سے آپ نے کہاں سے منگوائے...... بڑے اچھے ہیں۔ یہ چوپڑ تی سنتو سے!...... "

ماں: سیج لیگ سکرلی جانتے نا ــــ اس کے لئے منگوا رکھے تھے...... میں کہتی ہوں آپ لیٹ جائیے۔ ابھی آپ بہت تھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کا بیٹا آپ کے پاؤں دبا دے گا کیوں بیٹا؟

یوگ: ہاں پتا جی۔ آپ لیٹ جائیے۔ میں آپ کے پاؤں دبا دوں گا۔ (کھلتے ہوئے)

شری پت: نہیں بیٹا۔ مجھے عادت نہیں..... نہیں نہیں..... اچھا..... میں اس تپائی پر بیٹھتا ہوں۔ دیکھوں تو میرے بیٹے میں کتنا زور ہے (یوگ دباتا ہے) اسے آہستہ

تم تو بڑے نفس زدہ نکلے۔ (ماں بیالی پیش کرتی ہے)

ماں: لیجئے —— یہ پیالی۔

شری پت: اور آپ

ماں: میں آپ کے لئے بستر لگا دوں۔

شری پت: نہیں ابھی بہت وقت ہے۔ میں شاید یہاں سو نہ سکوں۔

ماں: آپ یہاں سو نہ سکیں —— کیوں؟ ..... اور کہاں جائیں گے آپ ——؟

شری پت: دیکھئے نا! یہ کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ . . . آپ سب کچھ سمجھتی بوجھتی ہیں۔

ماں: لیکن اس میں ہرج کیا ہے؟ کوئی کچھ نہیں کہے گا۔

شری پت: یہ بات بہت درست نہیں معلوم ہوتی۔

ماں: نہیں آپ یہیں آرام کیجئے۔ میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گی۔ میں آپ کمبو دالاڑے چلی جاؤں گی۔ وہاں میری ایک سہیلی رہتی ہے۔ اس کا مرد باہر گیا ہوا ہے۔

شری پت: نہیں میں آپ کو ایسی تکلیف نہیں دوں گا۔ میں اس وقت کہیں رات کاٹ لوں گا۔ پھر کل دن کو یہاں آجاؤں گا! پھر سارا دن آپ کے پاس رہوں گا!

ماں: آپ جائیں گے کہاں؟

لوگ: کیا آپ جوتن کے ہاں جائیں گے؟

شری پت: اسے نہیں بیٹا! میں یہاں کسی ہوٹل وہوٹل میں رات کاٹ لوں گا۔ پھر قریب کے محلے میں میرا ایک دوست بھی رہتا ہے!

ماں: نہیں! میں آپ کو باہر نہ جانے دوں گی خواہ مجھے آپ کہیں جانا پڑے۔ دیکھئے ہمارا دل نہ توڑیئے۔ لوگ کیا کہے گا! اس معصوم بچے کے دل پر کیا گذرے گی؟ کیا دنیا میں ہر جگہ پاپ ہی پاپ ہوتا ہے؟ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک مرد اور ایک عورت ایک چھت کے تلے سو سکیں! اور ماں کے نام پر کوئی دھبہ نہ آئے؟

شری پت: ابھی تک دنیا والے اتنے بڑے دل والے نہیں ہوئے اور پھر اگر آپ اجازت دیں تو ایک رات کے لئے میں یوگ کو ساتھ لیتا جاؤں۔

ماں: اور میں یہاں اکیلی رہ جاؤں؟.....

شری پت: (سوچتے ہوئے) اچھا! یہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن یوگ کے بنا مجھے بھی نیند نہیں آئے گی۔ آج آٹھ سال کے بعد میں اپنے بیٹے سے ملا ہوں۔ آپ نہیں جانتیں کہ میں آپ کا کتنا احسان مند ہوں۔ مجھے شبد نہیں ملتے۔ جن سے میں آپ کی تعریف کروں۔ میں اتنا بڑا قرض نہیں اتار سکتا۔

ماں: لیکن یوگ کے بغیر میں بھی نہیں رہ سکتی۔ آپ نے اپنی طرف سے یوگ کو...... آپ سمجھتے تھے یوگ اس سنسار میں نہیں ہے۔ میں نے اُسے لے کر پالا۔ اب آپ اُسے ایک رات کے لئے بھی نہیں لے جا سکتے...... مجھے کچھ وشواش نہیں آتا لائیے، میں کیا کروں میں بہت گھبرا رہی ہوں۔

شری پت: اچھا، اس بات کا اس کے سوا اور کوئی علاج نہیں کہ میں یہیں رہ جاؤں صرف ——— صرف مجھے آپ کی عزت کا خیال ہے......

ماں: نہیں۔ میری عزت سے آپ کو یہ آ گیا ہے کہ آپ باہر سو جائیں۔ لیکن بھگوان کے لئے یوگ کو نہ لے جائیے۔ میرا حوصلہ نہیں پڑتا اور اگر آپ یہاں سونے کے لئے تیار ہیں تو یہ سمجھ لیجئے کہ مجھے اپنی عزت کا زیادہ خیال ہے۔

شری پت: اچھا، لیکن مجھے آپ سے ایک بات اور کرنا ہے۔

ماں: کہیئے ——— کس بارے میں آپ.....

شری پت: یہی یوگ کے بارے میں

ماں: (گھبرا کر) یوگ کے بارے میں آپ کیا چاہتے ہیں؟

شری پت: یہی کہ ——— یوگ کو میں لے جانا چاہتا ہوں۔ میں آپ کا دھنواد ی ہوں آپ

جو خدمت کہیں۔ میں کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن یوگ۔ میرا بیٹا ہے۔

ماں: نہیں! نہیں! ــــــ یوگ میرا بیٹا ہے آپ اپنی طرف سے اُسے مار چکے تھے آپ آج صبح سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ لیکن اس شام تک آپ یوگ کے پتا نہیں تھے۔ لیکن اب جب کہ ہیں تو . . . . نہیں میں یوگ کے بارے میں۔

یوگ: پتاجی ــــــ ماتاجی کا کیا ہوگا۔ میں . . . . میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا آپ ماتاجی کو بھی ساتھ لے چلیئے۔

ماں: نہیں میں اس گھر سے باہر نہیں جاؤں گی اور نہ ہی یوگ کو جانے دوں گی۔ کچھ تو پتہ ملے ڈھیتے . . . . ہے ایشور! پہلے تو نے میرا سہاگ چھینا۔ اس کے بعد میں نے اپنا دل اس بچے سے لگایا۔ میں نے دن رات اسے اپنا اپنا کہا اور آج اسے بھی مجھ سے چھینا جا رہا ہے . . . . . .

یوگ: تو یونہی اتنا گھبرا رہی ہے ماں! میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ میں نے تمہیں کہا نہیں تھا۔ کہ اگر میری سگی ماں بھی آ جائے تو میں اس کے ساتھ نہ جاؤں۔

نثری پت: دیکھئے، آپ گھبرایئے نہیں۔ میں زبردستی یوگ کو آپ کے پاس سے نہیں لے جا رہا۔ میں آپ سے اس کی بھیک مانگتا ہوں۔ جب تک میں نے اُسے دیکھا نہیں تھا تب تک تو ٹھیک تھا۔ اب جب کہ میں نے اُسے ایک نظر دیکھ لیا ہے۔ تو میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔

ماں: (روتی ہوئی) نہیں نہیں . . . . نہیں نہیں . . . . .

سنتری پت: اس بات پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ نے اسے پالا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ اگر آپ اُسے نہ پالتیں۔ تو آج میں اس بچے کا منہ نہ دیکھتا شاید یہ کہیں کسی ٹانگے ٹم ٹم کے نیچے آکر مر جاتا یا کسی یتیم خانے میں چلا جاتا اور زندگی بھر میں اس کا منہ نہ دیکھ سکتا۔ لیکن اب . . . . . اب اصل حالات کو دیکھئے . . . اور قانون

کی نظروں میں بھی یوگ بیرا بیٹا ہے!

ماں: میں نے جب اسے لیا تو اسی لئے کہ اس کا دنیا میں نہ کوئی ماں ہے نہ باپ ...... ماں تو اس کی مرچکی تھی۔ کاش باپ بھی ...... نہیں میں آپ سے کتنا چاہتی ہوں۔ میں نہیں جانتی میں کیا کہہ رہی ہوں۔ مجھے پتہ ہے کہ میں ابھاگی جس چیز کو اپنا کہوں گی وہ پرائی ہو جائے گی۔

شری پت: یہ سمجھ لیجئے کہ آپ ہی اس کی ماں ہیں آپ جب جی چاہے اس سے مل سکتی ہیں اسے اپنے پاس بلا سکتی ہیں اور اگر آپ کی طبیعت چاہے تو میں آپ کو اس بچے کی خاطر لڈانگ سے جا سکتا ہوں۔

ماں: نہیں۔ میں اس گھر سے باہر قدم نہیں رکھوں گی میرے سواس یہیں ختم ہوں گے میں اس گھر کو نہیں چھوڑوں گی اور یوگ بھی یہیں رہے گا۔

یوگ: نہیں پتاجی! میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ آپ سے ہو سکتا ہے تو اپنے کاروبار کو سمیٹ کر یہاں لے آئیے۔ میں کہیں نہیں جا سکتا۔ میری پڑھائی میں ہرج ہوتا ہے۔

ماں: نہیں۔ آپ کو کسی نے بہکا یا ہے۔ ورنہ آپ اتنے پتھر دل نہ ہوتے۔ آپ ہی کا بیٹا آپ سے منت کر رہا ہے۔ وہ بیٹا جسے آپ نے کھو کر پا لیا ہے۔ جسے آپ آٹھ سال کے بعد ملے ہیں۔ ہائے الیشورہ۔ اس سنسار میں دکھ ہی دکھ ہے!

شری پت: دیکھئے آپ بھاونا ؤں سے کام نہ لیجئے۔ ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔ محلے پنچایت سے صلاح کر لیجئے۔ سب یہی کہیں گے کہ شری پت اس بچے کا باپ ہے۔ اس لئے وہ اسے لے جائے گا۔ باقی رہا۔ اس آٹھ سال کا خرچ وغیرہ۔ سو آپ جتنا چاہیں۔ مجھ سے لے سکتی ہیں۔ یہ کچھ روپیہ میں ابھی آپ کی بھینٹ کرتا ہوں۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ آپ کی تنخواہ سیوا ہے۔

ماں: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے ان روپوں کی خاطر اس بچے کو پالا؟ کیا میرا یہ خیال تھا کہ یوگ کا باپ آئے گا اور مجھے روپے دے کر اسے لے جائے گا۔ آپ ماں کی محبت کا مول دے رہے ہیں؟ آپ مجھے اتنا نیچ سمجھتے ہیں.....

یوگ: پتاجی! آپ ماں کو رُلا رہے ہیں۔ اگر آج....

شری پت: نہیں میں ممتا کا مول تول نہیں کر رہا۔ میں صرف یہ پیسے اس لئے دے رہا ہوں کہ شاید پیسوں سے یوگ کی کمی پوری ہو جائے۔ جیسے پیسے والی بیوہ اپنے رنڈاپے کے دن تھوڑی آسانی سے کاٹ لیتی ہے....

ماں: نہیں میں پیسے والی عورت ہوتی تو ایک دن بھی رنڈاپا نہ کاٹ سکتی (بلند آواز میں) آپ ہٹا لیجئے؟ میرے سامنے سے پیسے ——— ہٹا لیجئے ——— اُٹھا لیجئے ———

(پیسوں کے ساتھ تپائی پر سے دوسری چیزیں بھی گر جاتی ہیں)

شری پت: ان باتوں سے میں اپنے بیٹے کو نہیں چھوڑ سکتا۔

یوگ: (روتے ہوئے) میں ماں کے پاس رہوں گا۔

ماں: لے جائیے ان پیسوں کو جس نے آپ کو بہکایا ہے۔ اس کی بھینٹ کر دیجئے شاید اُسے پیسوں کی ضرورت ہو مجھے نہیں۔ میں یہ ہانی نہیں جھیل سکتی۔ جائیے یہاں سے چلے جائیے۔ اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لے جائیے۔ اگر میری چیز ہوتی تو میرے پاس رہتی۔

شری پت: لیکن سنئے تو.....

ماں نہیں، میں آپ کی کوئی بات سُننے کو تیار نہیں چلے جائیے اور اپنے بیٹے کو بھی لے جائیے میں اس کی ماں نہیں۔ میں اس کی ماں بننے سے انکار کرتی ہوں میں نے دس سال کا رنڈاپا کاٹا ہے تو اسے بھی سہہ جاؤں گی۔ اگر میں اتنے کڑے دل کی عورت نہ ہوتی

قوہیں اس طرح بدھواستہ ہوتی ــــــ

یوگ : ماں۔

ماں : چلے جائیے یہاں سے، لے جائیے اپنے بیٹے کو اور ان کاغذ کے پرزوں کو ......
خبردار جوان دہلیزوں پر شری پت اور اس کے بیٹے نے قدم رکھا تو..... میں ابھی
پولیس کو بلواتی ہوں ــــــ میں نہیں جانتی تھی۔ انسان اتنا کمینہ ہوسکتا ہے کہ وہ
ان چیزوں کا سودا کرے..... جاؤ.... چلے جاؤ

شری پت : چلو بیٹا۔

یوگ : میں نہیں جاؤں گا ــــــ نہیں جاؤں گا۔

شری پت : نہیں، ہم چلیں گے.. .. (یوگ کی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے) لیکن مجھے
بہت افسوس ہے کہ...... اچھا

ماں : ایک دم سیڑھیوں سے اُتر جائیے۔

(کچھ دیر کے لئے شری پت ٹھٹک جاتا ہے ــــــ پھر یوگ کو اس کے احتجاج
کے باوجود دروازے کی طرف لے جاتا ہے)

یوگ : میں نہیں جاؤں گا ــــــ میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔

(انتہائی غیظ یوگ کی ماں پر غلبہ پالیتا ہے)

ماں : ...... شاید ...... شاید اس کمینے آدمی کے دل میں کبھی یہ خیال آئے کہ اس نے
غلطی کی۔ شاید وہ پہنچا تاپ کے لئے پھر ان سیڑھیوں پر قدم رکھے۔ (دانت پیس کر)
.... ذرا بات سنتے جائیے گا۔

(شری پت واپس آتا ہے اور یوگ کا راستہ روکنے کی غرض سے
دروازے میں کھڑا رہتا ہے)

یوگ : مجھے اس طرح نہ نکالو ماں ــــــ میں مر جاؤں گا، ماں!

ماں: ٹھہرو..... تم نے استری کی بھاوناؤں کا مول ڈالا ہے نا۔ ممتا کی قیمت لگائی ہے
——— تو میں تمہارا مول نہیں لگا سکتی؟ لاؤ روپے اِدھر پھینکو تاکہ میں تم ایسے کمینہ
رذیل انسان کو کبھی بھولے سے نہ دیکھ پاؤں ——— شاید کہیں پہنچا تاپ پھر تمہارے
نیچ قدم میرے دروازے پر ڈال دے۔

شری پت: (پیسے دیتے ہوئے) لیجئے ——— لیکن میری بات تو سنئیے۔

ماں: یہاں رکھ دیجئے پیسے ——— اور اب جائیے (بلند آواز میں) دیکھ کیا رہے ہیں
——— چلے جائیے، اس سمے.....

(شری پت گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ یوگ کی ماں غش کھا کر پلنگ پر گر جاتی
ہے ——— پردہ گر جاتا ہے)

نقلِ مکانی

نفیس : ایک معمولی آدمی جو محکمہ نہر میں ملازم ہے

عذرا : نفیس کی قبول صورت بیوی ـــــ گانے کا شوق رکھتی ہے۔

مراثنب : کاٹھ بازار کا پنواڑی

ستیاں : ایک آوارہ اور ذہین طالب علم جس کا اصل نام امجد حسین ہے

بنواری لعل

مرزا شوکت : محلہ دار

سب انسپکٹر مائیکل

دو سپاہی

شیو رتن : ایک عیاش رئیس

پہلا منظر

محلہ کا ٹھ بازار کا ایک مکان نفیس اور حسن کی بیوی عذرا اس مکان میں نئے آئے ہیں۔ ابھی ان کا سامان اِدھر اُدھر بکھرا پڑا ہے جسے دونوں میاں بیوی قرینے سے دھرنے میں مصروف ہیں۔

عذرا: (آرام کے لئے رکتے ہوئے) توبہ! کتنی خاک چھانی ...... اور جو ملنے کو آیا مکان تو کیسے جھٹ سے مل گیا۔

نفیس: (چارپائی پر بیٹھ کر اپنا نیا جوتا اتار دیتا ہے اور اپنے پاؤں سہلاتا ہے) ہاں، اسی بات پہ تو میں حیران ہو رہا ہوں۔ دراصل مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ میں کسی اور مکان میں بیٹھا ہوں ... پاؤں ابھی تک دُکھ رہے ہیں۔ ایک سارے دن کی دوڑ دھوپ، دوسرے نیا جوتا ...... (پلیٹ کر عذرا سے) تھوڑا پانی تو گرم کر دو جی

عذرا: معلوم ہوتا ہے حکام کا پینڈا اس اولا بدلی میں ٹوٹ گیا ہے لیکن پانی گرم ہو جائے گا۔

نفیس: جب بوجھ کو سر پر سے پھینک دیا جاتا ہے تو کتنی دیر یوں معلوم ہوتا ہے جانے کوئی اوپر کی طرف ابھار رہا ہے۔ اتنی تھکن اور تکلیف کے ہوتے ہوتے بھی ایک طرح کے سبک پنے .....

عذرا: چشم بددُور! بس انہی دو کمروں کی ضرورت تھی اور اتنا ہی کرایہ دینے کی توفیق ——— مہنگائی کے ان دنوں میں سولہ روپے بھی بھلا کوئی کرایہ ہے؟

(پھر کام میں مشغول ہو جاتے ہیں)

نفیس: اندازہ کرو۔ وہ حویلی لکائی والے اُن کمروں کے پچاس روپے بتاتے تھے۔ شاید انہیں سمجھنے والا نہیں کوئی میں نے تو کہہ دیا تھا کہ تنخواہ قرق کرا لیا کرو صاحب سوچو، اتنے کمروں کی ہمیں ضرورت بھی کیا تھی؟

عذرا: اور جو نئی آبادی ہیں کمرے دیکھے تھے نا، یاد ہیں؟ بس کتنی دور چھت کی طرف لپک رہی تھی اور پڑوس کی گوجرانی بلند کہ ہم او پلے دیوار ہی پر تھاپیں گے۔۔۔۔ لے بھئی تو اب تھاپ لے اُپلے جی بھر کے (رُک کر) لیکن میں اگر وہاں رہ جاتی تو اُسے بتا دیتی ایک بار۔

نفیس: ہاں، وہ تو تمہاری بات ہی ہے۔

عذرا: اور وہاں کُوڑا کر کٹ جلانے والی چمنی بھول گئے؟۔۔۔۔ اُوف۔۔۔۔ اُوف۔۔۔۔ کتنی بُو آتی تھی!۔۔۔۔ (ناک پر دوپٹہ رکھ لیتی ہے)

نفیس: اس پٹواڑی نے کس آرام سے چابیاں تھما دیں میرے ہاتھ میں (ایک دم رُک کر) مجھے تو کچھ دال میں کالا کالا نظر آتا ہے۔

عذرا: اور کہہ رہا تھا کہ مہینے بھر سے خالی پڑا ہے مکان۔ کوئی کا ہک نہیں لگا ہو گا مہینہ بھر میں بھلا؟

نفیس: خدا جانے کیا معاملہ ہے؟ ـــــ یہ دیواریں کچھ خراب ہیں، لیکن۔۔۔۔ (دیوار کو چھوتا ہے)

عذرا: کہاں خراب ہیں دیواریں؟۔۔۔۔ بس ذرا سا شک پڑا تو دیواریں بھی خراب نظر آنے لگیں، چھت بھی گرتی ہوئی دکھائی دینے لگی، کواڑ بھی پرانے ہیں، تم کہنے لگو گے بالکل ٹوٹے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔ (برآمدے کے اوپر اور نیچے سیاہ نشان دیکھتے ہوئے) شاید شمعدان بنا رکھا تھا ہم سے پہلے ادھر رہنے والوں نے۔۔۔ میں کہتی ہوں یہاں بجلی نہیں ہے کیا؟

نفیس: ہے تو، لیکن شاید وہ لوگ بجلی استعمال نہ کرتے ہوں۔

عذرا: (ہنس کر) شاید اندھیرا پسند کرتے ہوں۔

نفیس: تمہیں اندھیرے کے معجزوں کا کیا پتہ۔ جب اندھیرا ہوتا ہے تو بہت سی خدائی کا ایک

طرح سے دن شروع ہوتا ہے (میز کو کونے کی طرف سرکاتے ہوئے) . . . .

اس میز کو ہاتھ دیجئو ذرا . . . . .

(کونے میں پڑے ہوئے گھنگرو نفیس کے پاؤں کے ساتھ ٹکراتے ہیں)

اے ہے —— یہ کہاں سے آ گئے؟

عذرا: (میز رکھ کر) دکھاؤ

نفیس: ہم سے پہلے یہاں رہنے والے اسے یہیں بھول گئے۔

عذرا: ان میں سے کوئی ناچتا ہوگا۔

نفیس: تمہارے لئے چھوڑ گئے معلوم ہوتے ہیں لیکن انہیں کیا معلوم کہ نئے آنے والوں میں بھی کوئی گانے کا شوق رکھتی ہے اور گا ہے ملہے ——

عذرا: گا ہے ملہے کیا!

نفیس: —— تھرک بھی جاتی ہے۔

عذرا: اوہو، جلتے ہی نہ ہوں بھلا

نفیس: ذرا پاؤں میں باندھو اور . . . . .

عذرا: ہونہہ اسباب جوں کا توں بکھرا ہوا ہے اور آپ کو اپنی پڑی ہے . . . . . میں سوچتی ہوں اس شمعدان میں سرسوں کا تیل جلانے والے استنے با مذاق تھے؟

نفیس: تو کیا خوش مذاقی کا امیر لوگوں نے اجارہ لے رکھا ہے (عذرا کے سامنے میز پر بیٹھ جاتا ہے) اپنی طرف دیکھو تم . . . . .

عذرا: (مسکرا کر) چلو ہٹو۔

نفیس: بات یہ ہے تم بھی عام آدمیوں کی طرح باہر کی ٹیپ ٹاپ دیکھتی ہو میں اگر اچھی شکل والا ہوتا اور اچھے کپڑے پہنے ہوتے ہوتا تو شاید مکان کے لئے مجھے اتنا پریشان نہ ہونا پڑتا جس کے سامنے جا کر مکان کے لئے سوالی ہوا اس نے پہلے مجھے سر سے

پاؤں تک ماپا اور پھر جھٹ سے کہہ دیا ــــ کون سے زمانے کی بات کہتے ہو میاں، راستہ پکڑو..... گویا میں اٹھائی گیرا ہی تو ہوتا ہوں۔

(غصے کے ساتھ میز پر سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے) بعض دفعہ جی چاہتا ہے اٹھائی گیرا ہی تو ہو جائے آدمی.....

(عذرا کی طرف دیکھتا ہے تو غصہ اتر جاتا ہے) دُور کیوں جاؤں، میں اپنی عذرا کے لئے وامق نہ ہوا.....

عذرا: یہ وامق کون احمق تھا؟..... اور پھر اس بات کا تقاضا کرنا بھی تو شک ہے کہ کوئی آدمی کو اندر سے دیکھے اور باہر سے نہ دیکھے۔ تمہارا کیا خیال ہے رُوح جسم کو خوبصورت یا بدصورت نہیں بناتی؟

نفیس: یہ الگ بحث ہے عذرا..... لاؤ ذرا ہتھوڑی پکڑانا، کھڑکی پہ کیل گاڑ دوں (کھڑکی کی طرف بڑھتے ہوتے) میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تم کسی کی شکل دیکھ کر اس کی طینت کے متعلق شک کرو تو اس شخص کی بدطینتی پر افسوس نہیں کر سکتیں.....

عذرا: دیکھو، دیکھو، دیکھو..... یہ باہر جو کھڑکی کھلتی ہے، پان کی پیک سے بھری ہوئی ہے۔ ادھر ہاتھ مت بڑھانا۔ میں کہتی ہوں..... یہ پان کی پیک، یہ شمعدان..... میرا ماتھا ٹھنکتا ہے، ذری بلاتا تو پنواڑی کو

نفیس: مراتب کو؟ ــــ میں بلاتا ہوں تم ابھی دیا جلا دے، شام ہو رہی ہے۔

عذرا: دیا تو نہیں ہے لیکن اس کٹوری سے دیئے کا کام چل جائے گا۔

نفیس: ہاں ہاں اسی کٹوری کو شمعدان پہ رکھ دو۔

عذرا: میں تو نہ رکھوں شمعدان پہ کٹوری کو..... تم مراتب کو بلاؤ۔ یا تو اس جگہ چھوت کی بیماری کا کوئی مریض رہا ہے اور یا..... یا.....

نفیس: ورنہ آج کل جنگ کے دنوں میں اتنی دیر مکان خالی رہنے کے کیا معنی!

(دروازے سے باہر جھانک کر)

مراتب..... میاں مراتب، ذرا ادھر آنا بھا——— ئی!

(دُور سے آواز آتی ہے)

پنواڑی: آیا صیحب!

نفیس: (عذرا سے) جانے کیا ماجرا ہے.... چھوت کی بیماری کے علاوہ کیا اندازہ لگانے لگی تھیں تم؟

عذرا: اس مکان میں کوئی پیر رہتا ہوگا اور یہاں رہنے والے اس کا دیا جلاتے ہوں گے۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے ہفتہ بھر میں ایک دو دن ضرور پیر کا دیا جلانا پڑتا ہوگا نہیں تو بجلی والے اس مکان میں سرسوں کا تیل جلانا کیا مطلب رکھتا ہے؟

نفیس: اب تمہیں بھی اس مکان میں نقص نظر آنے لگے ——— ایک برس ہوا ہمیں مکان تلاش کرتے ہوئے تب کہیں جاکے یہ دو اچھے کمرے ملے ہیں۔

عذرا: میں خود اسے پسند کرتی ہوں لیکن...... .

نفیس: میں لیکن ولیکن کچھ نہیں جانتا۔ مجھ سے اب مکان تبدیل نہ ہوا یہ سمجھ رکھیو..... چھوت کا مریض رہا ہوگا تو فرش فینائل سے دھولیں گے۔ سفیدی کروالیں گے۔ دیواریں کھدوا کر نیا پلستر کروالیں گے——— پیر ہوا تو روز سرسوں کا دیا جلالیں گے۔

(دروازے میں مراتب نظر آتا ہے)

مراتب: حکم سرکار

نفیس: بڑے میاں ہمیں ایک بات پوچھنا ہے۔

عذرا: (ڈرے ہوئے) ہاں بڑے میاں۔ ٹھیک ٹھیک بتا دو۔ تم نہیں بتاؤ گے تو ایک دن، ہمیں اپنے آپ پتہ چل جائے گا۔ کیا یہاں کوئی بیمار رہا ہے یا کوئی پیر ہے جس کا دیا جلانا پڑتا ہے یا کوئی اور بات ہے؟ دیکھو جھوٹ مت بولنا، آخر تم بھی بال بچے دار ہو!

پنواڑی: دیکھئے سرکار، جھوٹ بولنا اپنا اصول نہیں ہے اور پھر یہ مکان کرشنا میرا اپنا ہے۔ جس کی خاطر اپنا ایمان گروی رکھوں...... آپ سے پہلے یہاں شادو رہتی تھی۔

نفیس: شادو رہتی تھی، کون شادو ؟ ـــــ ؟

پنواڑی: شادو ـــــ شمشاد بائی (عجیب سی ہنسی ہنستا ہے) آپ اسے نہیں جانتے ؟ واہ اس شہر میں کون بابو لوگ ہے جو شادو کو نہیں جانتا!

نفیس: (کچھ برہم ہو کر اپنے ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں ٹھونس لیتا ہے) میں جھوٹ تھوڑے ہی کہہ رہا ہوں، بڑے میاں! میں تمہاری شادو سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔

پنواڑی: اجی بابو صاحب! شادو کے قصے اخباروں میں چھپ گئے۔ اس کے نام کے اشتہار بازاروں میں لگ گئے اور آپ کہتے ہیں پتہ ہی نہیں...... نہیں نہیں، دراصل آپ مجھے بنا رہے ہیں ـــــ ہیں نا ؟ شادو یہاں، جس طرح مجھ کو لگی ہے میرے بلنڈ کسو کی، گایا کرتی تھی اور بڑے بڑے لوگ اس کا مُجرا کروا تے تھے وہ بڑی امیر تھی لیکن تھی بڑی کنجوس ـــــ آخر اُسے سمجھ آگئی کہ بنا چوک میں جا سے دھندہ نہیں ہوگا۔

عذرا: تو شمشاد بائی کوئی طوائف......

پنواڑی: جی ہاں، طوائف ہی تو تھی...... اُس کے مقدمے کی بابت بھی آپ نے کچھ نہیں پڑھا وہ دراصل بڑی زندگی تھی جو میرے بلنڈ کسو کی، گایا کرتی تھی ـــــ شادو کا ٹھ بازار کے بیچ میں سرکار نے بھی پسند نہ کیا اور اسے نوٹس دیا۔ پولیس بھی آئی لیکن شادو کو کوئی نہ ہلا سکا پھر وہ اپنی مرضی سے چلی گئی......

نفیس: تم نے پہلے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔

پنواڑی: مجھے اس بات کا خیال ہی نہیں آیا اور میرا خیال تھا آپ جانتے ہی ہوں گے دراصل آپ نے اتنی جلدی کی ـــــ چار بجے شام آپ نے چابیاں لیں اور چھ بجے یہاں آ

دھمکے۔ اب کیا بگڑ گیا ہے، مکان پر آپ کی مُہر تو لگ ہی نہیں گئی۔

عذرا: لیکن اب ہم جائیں کہاں، جو مکان ہم نے خالی کیا، اس کے بیسیوں گاہک تھے اِدھر ہم نے سامان نکالا اُدھر انہوں نے رکھ لیا۔

نفیس: یہ بات چابیاں دیتے ہی بتا دینی چاہیئے تھی مراتب صاحب

پنواڑی: میں نے سمجھا تھا آپ اس قصے کو جانتے ہی ہوں گے۔

نفیس: (چمک کر) پھر وہی بات۔ کیا ہمیں بھی تم ایرے غیرے سمجھتے ہو جو یہ جانتے ہوئے بھی چلے آئیں ——— جاؤ، کتھا اور چونا لگاؤ اور شادو کے گیت گاؤ۔۔۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں بھی شریف اور بدمعاش میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

پنواڑی: دیکھیئے ذرا سنبھل کر بات کیجئے۔ کسی کے ماتھے پر شریف تھوڑا ہی لکھا ہوتا ہے۔ میں نے جانا جیسے دوسری دنیا ہے ویسے ہی آپ ہوں گے۔

عذرا: اب زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے بڑے میاں!

پنواڑی: میں نے کوئی بڑی بات نہیں کی سرکار۔ دوسرے لوگ کہیں جیب کترے نہیں ہیں۔ آپ کی مرضی آپ رہیں نہیں مرضی تو نہ سہی ——— چابیاں میرے حوالے کر دیں اور نیا مکان تلاش کر لیں۔ میں جاتا ہوں، شام ہی کا تو وقت ہوتا ہے تھوڑے پیسے کمانے کا ——— (جاتا ہے)

عذرا: (مایوسی سے) اب کیا کریں؟

نفیس: (سرد آہ بھر کر) چلو یہ طلسم بھی ٹوٹ گیا مجھے یقین ہو چلا تھا کہ تمام دنیا ایک سی نہیں ہے۔ کم سے کم ایک ایسا آدمی ہے جس نے ہماری شرافت کی قدر کی ہے۔۔۔۔ (کھڑکی کی طرف جاتا ہے) پان کی پیک سے بھری ہوئی یہ کھڑکی یہ بتا رہی ہے۔ کہ شادو اس پنواڑی کی آمدنی کا ذریعہ تھی اور اس کے چلے جانے کا مراتب کو افسوس ہے۔۔۔۔۔ (سوچتا ہے)۔۔۔۔۔ عذرا ان گھنگھروؤں کو وہاں رکھ دو اور آؤ بیٹھ جاؤ۔

عذرا: (ادھر اُدھر دیکھ کر) خُدا جانے یہاں کیا کچھ ہوتا رہا ہے! (سہم کر نفیس کی بغل میں بیٹھ جاتی ہے)

نفیس: جانے کون جاگیریں اُجڑ تی رہی ہوں گی۔ اور کن کن کے سہاگ کا مذاق اڑایا گیا ہوگا۔

عذرا: بھانت بھانت کے آدمی آتے ہوں گے یہاں۔۔۔۔۔

نفیس: (یونہی تھوڑے سے ہمارا سنگِ اسود کالا اور کثیف ہوتا جا رہا ہے۔۔۔ لیکن دیکھو عذرا، اب جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ طوائفوں کی بستی جب شہر کے بڑھنے سے باہر چلی جاتی ہے تو ان کی جگہ تمہارے ایسی گرہستنیں ہی تو رہتی ہیں ——

عذرا: (سمٹ کر) یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے ڈر سا آتا ہے جیسے میرا دل کسی بات کو مان نہیں رہا۔

نفیس: مجھے تو اس بوڑھے کی بے وقوفی پر ہنسی آتی ہے (ہنس کر) "تم شادو کو نہیں جانتے؟" لیکن عذرا جب تک اپنا دل صاف ہے ہمیں کسی بات سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔ دوسرے کے گناہوں کا حساب ہمیں تھوڑا دینا ہے —— میں بستر کھولتا ہوں۔ تم دیا سلائی سے ذرا بتی اوپر کر دو۔

عذرا: یاد آیا۔ تم نے گرم پانی کے لئے کہا تھا۔ شاید کوٹھری میں کوئلے ہوں۔۔۔ مجھے یہ سارا گھر جانے بیماری کے کیڑوں سے پٹا ہوا معلوم ہوتا ہے —— میں کیا کروں، میرا دل یونہی کانپ رہا ہے۔

نفیس: عذرا —— میری جان! اب ایک نیا مکان تلاش کرنا خالہ جی کا باڑا تو ہے نہیں۔ یہاں سب طرح سے صفائی ہو جائے گی —— فینائل، سفیدی، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اور پھر جس جگہ پر بیٹھ کر اللہ کا نام لیں گے وہ جگہ پاک اور صاف ہو جائے گی، میرا مطلب ہے۔۔۔۔۔

(دروازے پر دستک سنائی دیتی ہے)

عذرا: یہ کون ہُوا بھلا؟

نفیس: خدا جانے کون ہے ــــــ اور اسے ہمارے یہاں ہونے کا کیسے پتہ چل گیا؟

عذرا: ذرا دیکھو تو ــــ کہیں تمہارا بھانجا ہی نہ ہو۔ میں نے کہا تھا ادھر ہم نئے ہیں۔ ذرا خبر لیتے رہنا۔ اور ہاں تمہاری بھانجی کی شادی طے ہو گئی ہو گی ــــ نضیرہ کی ــــ دیکھو تو۔ (نفیس جاتا ہے ــــ اور دروازہ کھولتا ہے)

نفیس: آیئے صاحب!

میّاں: السلام علیکم ــــ

نفیس: وعلیکم السلام ــــ کہئے کیسے تشریف لائے، آپ کا نام.....؟

(عذرا اُٹھ کر اندر چلی جاتی ہے)

میّاں: میرا نام؟.... میرا اصلی نام امجد حسین ہے۔ میں یہاں طالب علم ہوں..... یہاں کا مطلب یہ مکان نہیں۔ میری مراد اس شہر سے ہے..... لیکن مجھے سب میّاں کے نام سے پکارتے ہیں،

نفیس: کہیں آپ اس مکان کے مالک تو نہیں؟

میّاں: نعوذ باللہ ــــ نہیں!... لیکن ایک طرح سے مالک ہی سمجھئے.....

نفیس: معاف کیجئے میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا... اور نہ آپ کا اس وقت تشریف لانے کا مدعا جان سکا ہوں۔

میّاں: دیکھئے، ایک وقت میں ایک سوال کیجئے تاکہ نہ آپ کو سوال کرتے ہوئے اُلجھن ہو اور نہ مجھے جواب دیتے ہوئے کوفت محسوس ہو۔ یہی تو ظلم ہوتا ہے میرے ساتھ کہ ایک سانس میں لوگ مجھ پر بیسیوں سوال کر جاتے ہیں،... کالج میں، گھر میں، بازار میں ہر جگہ یہی ظلم ہوتا ہے...... تو پہلے آپ میرا نام پوچھ رہے تھے۔

(آگے جانے کی کوشش کرتا ہے لیکن نفیس اسے اشارے سے وہیں چارپائی پر بٹھا دیتا ہے)

نفیس: جی ہاں، نام پوچھ رہا تھا —— اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو ....

ستیاں: میں نے عرض کیا نا، میرا اصل نام امجد حسین ہے۔

نفیس: نہیں صاحب، اس سے پہلے نام کے بارے میں قطعاً کوئی بات نہیں ہوئی۔

ستیاں: (پرشکوک انداز میں) کوئی بات نہیں ہوئی؟ .... مگر اس کا کیا مطلب ہے۔ آج یہاں نام کیوں پوچھا جا رہا ہے؟ .... خیر میرا نام امجد حسین ہے لیکن مجھے سب ستیاں کے نام سے پکارتے ہیں۔

نفیس: آپ کی ماں بھی آپ کو ستیاں کے نام سے پکارتی ہوگی۔

ستیاں: جی ہاں (کچھ سمجھتے ہوئے) لیکن ... لیکن .... سو آپ سے درویش صورت انسان بھی یہاں ... سچ ہے بابا، سب سچ ہے ......

(اٹھ کر اندر جانے کی کوشش کرتا ہے)

نفیس: آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے .... دیکھئے آپ زبردستی اندر جا رہے ہیں اور آپ پٹتے ہوتے ہیں۔

ستیاں: شش شش خاموش۔ میں ستیاں ہی تو ہوں، جاؤ اندر جا کر شادو کو اطلاع کر دو۔

نفیس: دیکھئے ستیاں صاحب۔ اب آپ کی شادو یہاں نہیں رہتی۔ یہ شریف آدمیوں کے رہنے کی جگہ ہے۔

ستیاں: مشکل سے تو آپ شریف ہی نظر آتے ہیں واللہ۔ ابھی میں ہر روز تھوڑے ہی ادھر آتا ہوں۔ جب ڈپٹی صاحب منی آرڈر بھیجتے ہیں اور امتحان کے دن نزدیک آتے ہیں .... اوہ ڈپٹی صاحب کے نام سے ڈر گئے؟ ارے ستیاں بھتے کو توال اب ڈاکیہ کا تم یہ یا نور راستے سے ہٹا دو ....

نفیس: دیکھو، دیکھو میاں صاحبزادے تم کیا کر رہے ہو؟ (کپڑ کر چارپائی پر بٹھا دیتا ہے)

ستیاں: سو تم دیر کا کے رئیس ہو۔ بتی نے شادو کو گھر ڈالنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے

تم نے اسی گھر کو اپنا گھر بنانا اچھا سمجھا۔ میں سمجھ گیا، سب کچھ سمجھ گیا،

نفیس: دیکھو، زیادہ باتیں مت بناؤ۔ کہے دیتا ہوں۔ یہاں سے فوراً نکل جاؤ ورنہ میں شور مچاؤں گا۔

سیاں: شور مچاؤ گے اور لوگوں کو اکٹھا کرو گے؟ بس اسی بات سے تمہاری شرافت کا پتہ چلتا ہے۔ کیا تم خود بدنام نہ ہو گے۔ لوگ آٹھ مجھے کہیں گے اور دس تمہیں سنائیں گے۔ لوگوں کو سچ اور جھوٹ کی طرف بٹ جانے کا ملکہ ہے ارے؟ کبھی شریف لوگ بھی شور مچاتے ہیں؟ وہ ہر قسم کی ذلت چپکے سے برداشت کر لیتے ہیں، کیونکہ وہ شریف ہیں۔

(ایک ہچکی آتی ہے۔ نفیس کچھ کہنے کی کوشش کرتا ہے لیکن سیاں اسے روک دیتا ہے) میرے باپ کی کچہری میں روز عزت کے لئے مقدمے لڑے جاتے ہیں اور عزت چاہنے والوں کی خوب بے عزتی ہوتی ہے۔ ان کی ماں اور بہن کے متعلق وہ کچھ کہا جاتا ہے کہ سن کر کانوں کے پردے پھٹ جاتے ہیں۔ اسی لئے شریف آدمی اپنی بیٹی تک کی بے حُرمتی دیکھ کر عدالت کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے ــــــ

نفیس: میاں صاحبزادے، یہ سب درست ہے، اسی لئے میں تمہیں منت سے ٹل جانے کے لئے کہتا ہوں، ورنہ شاید مجھے شور مچانے کی بھی ضرورت نہ پڑے۔

(سیاں کو دھکیلتا ہے)

سیاں: دیکھو ــــــ مجھے دھکیلو مت۔ باتیں کرنے سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا (قدرے بلند آواز میں) شادو مجھ سے یہ بدسلوکی دیکھ کر تم چپ بیٹھی ہو؟ (اندر دیکھتے ہوئے) تم اتنی دبلی کیوں ہو گئی ہو ۔ شاید میری آنکھوں کا قصور ہے (لرزتی ہوئی آواز میں) مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ . . کتابیں لکھنے والوں نے ایک ہی چیز کے متعلق متضاد باتیں کہہ کر میرے دماغ کو الجھاؤ میں ڈال دیا ہے۔ . . . میری

آنکھوں میں نقص ہے (وڈر جاتاہے) وہی چیز جیسے میں دیکھنا چاہتا ہوں، نظر نہیں آتی —— ارد گرد کی سب چیزیں دکھائی دیتی ہیں لیکن وہ چیز جس پر میں نگاہ ڈالتا ہوں، درمیان سے غائب ہو جاتی ہے ......

کیا اس سے بڑی بیماری بھی ہے کہ تم جو چاہو نہیں دکھائی نہ دے اور جو نہ چاہو نظر آتا ہے، دیکھو، تم پھر دھکیلنے لگے۔ باتیں سننے میں کیا ہرج ہے بھائی؟ .... شادو! نہیں وبرکاسے اس رئیس نے گھر ڈال لیا ہے (اندر دیکھتے ہوئے) کیا یہ سچ ہے۔ کریہ خبیث نہیں باہر کی روشنی نہیں دکھاتا اور اسی لئے تم اتنی مزبل ہو گئی ہو —— لیکن تمہارا رنگ اور بھی کھل گیا ہے .... نہیں مجھے کچھ بھی نظر نہیں آرہا —— تمہیں وبرکا کے رئیس نے نہیں نہیں اس بڑے وبرکا کے رئیس نے مجھ سے چھین لیا ہے —— خدا نے بے رحم خدا نے .....

(رونے لگتا ہے)

نفیس: خدا جانے میں تمہاری باتیں کیوں سنتا جارہا ہوں؟ تم شکل سے شریف خاندان کے لڑکے نظر آتے ہو۔ شاید اس لئے۔ لیکن تم ہو کہ برابر شور مچاتے چلے جارہے ہو لوگ سن کر کیا کہیں گے؟

سیاں: لوگ؟ لوگ کیا کہیں گے؟ .... دیکھو مجھے گھورو مت۔ ہر جگہ مجھے یہی " لوگ" گھورتے نظر آتے ہیں۔ ان لوگوں نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔ انہوں نے میرے ایک دوست کو پاگل کر دیا۔ وہ ذہین تھا، بلا کا ذہین تھا —— اسے " لوگوں " نے بتایا کہ عورت کا ننگا جسم ایک ناپاک شے ہوتی ہے اسے مت دیکھو، اپنی آنکھیں بند کر لو خوبصورت چیز کو دیکھنے کی خواہش کو دوبارہ کچل دو —— انہوں نے کہا، پھول کو کپڑے پہنا دو، یہ آرٹ ہے ..... میرے دوست نے پانی میں چند کلیوں کو نہاتے دیکھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو کر اس نے

پھر ان کلیوں کو بھی شبنم میں نہاتے دیکھا، پھر آنکھیں بند کر لیں، دیکھا، آنکھیں بند کر لیں ـــــ خواہش نے آنکھیں کھولیں "لوگوں" نے بند کیں ـــ کھولیں، بند کیں، کھولیں، بند کیں ـــــ اور آج اس کی آنکھیں پل میں سو بار کھلتی اور بند ہوتی ہیں ـــ وہ ان کا کوئی بھی علاج نہیں کر سکا......

(آ نا فانا) شادو بہ مجھے اس شہدے سے بچاؤ ـــــ مجھے یہ تمہارے پاس نہیں آنے دے رہا، پھر تم نہیں گاؤ گی؟ ـــــ

سیاں توری گودی میں گیندا بن جاؤں گی

(نفیس سیاں کو اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن سیاں برابر اپنی بات کہے جا رہا ہے)

سیاں: امتحان سے ڈر کر آج میں نے بے اندازہ پی (زبان لبوں پر پھیرتے ہوئے) شراب میرا کلیجہ چیٹ کر رہی ہے ـ میرے ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں۔ مجھے بھوک لگی ہے ..... تم بھول گئیں ـــــ

جو تورے سیاں کو بھوک لگے گی

لڈو پیڑا جلیبی بن جاؤں گی ـــــ سیاں توری گودی میں۔

(نفیس سیاں کو دروازے تک دھکیلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے لیکن سیاں مضبوطی سے دروازہ پکڑ لیتا ہے)

سیاں: میں کرسی اور پلنگ کے درمیاں دیکھ رہا ہوں ـــــ اور تمہاری پرچھائیاں نظر آتی ہے مجھ سے اندھا اچھا ہے شادو۔ ہائے، یہ سب کچھ نظر بھی آ رہا ہے اور نہیں بھی آ رہا ..... میرے اللہ......

نفیس: (دروازے کے ایک طرف منہ نکالتے ہوئے) مراتب ـــــ مراتب میاں ـــــ

(دروازے پہ عذرا نمودار ہوتی ہے۔ وہ کچھ دیر کے لئے رک جاتی ہے لیکن پھر

ایک عزم کے ساتھ آگے بڑھتی ہے)

عذرا: صاحب آپ کون ہیں؟ — آپ باہر کیوں نہیں جاتے۔ یہ شریف آدمیوں کا مکان ہے۔ شادو نے یہاں سے مکان تبدیل کر لیا ہے۔ آپ نکل جایئے۔ فوراً یہاں سے......

نیال: (پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے) یہ آواز بھی گھر اور بازار کی آوازوں میں کھو کر رہ گئی۔ یہ شادو کی آواز نہیں اس سے اچھی آواز ہو گی لیکن یہ شادو کی آواز نہیں — شادو کی آواز — !

(مراتب آتا ہے)

مراتب: ابے کون ہے تو؟ — نکل باہر شہدے، کمینے......

نفیس: مراتب! گالی مت دو اسے — فقط باہر نکال دو —

عذرا: دیکھو، مارو نہیں، گمراہ طالب علم ہے بے چارہ —

مراتب: کئی بے چارے گمراہ طالب علم آتے تھے اس کے یہاں — نکل باہر چھوکرے......

(کشمکش۔ مراتب اُسے دھکا دے کر باہر گرا دیتا ہے۔ لڑکے کے گرنے کی آواز کے ساتھ ہی دروازہ بند ہوتا ہے)

دُوسرا منظر

اسی مکان کا سونے کا کمرہ۔ رات کا وقت ہے اور نفیس باہر سے آکر کپڑے بدل رہا ہے
عذرا اُس کا کوٹ اس کے موزے وغیرہ لے کر باری باری مناسب جگہ پر رکھ رہی ہے

عذرا: بہت تھکے ہوئے نظر آتے ہو، آج کام بہت تھا کیا؟

نفیس: دفتر میں کوئی کام نہیں ہے البتہ دوسری باتیں تھوڑی ہیں پریشانی کے لئے

عذرا: دوسری باتیں؟ —— کوئی اور مکان دیکھا؟

نفیس: مکان کے لئے بہت کوشش کی لیکن کوئی ہو تو بات بنے۔ یہ غریب ہونا بھی ایک لعنت ہے ورنہ ایسے ہی دو کمرے پینتیس روپے میں ملتے تھے۔

عذرا: پینتیس تو ہم کسی صورت میں نہیں دے سکتے —— کھانا؟

نفیس: تمہارا خیال ہے میں ابھی تک بھوکا ہوں گا۔ دفتر کی ٹک شاپ سے بتیرا الم غلم کھا لیا اور چائے پی —— اس دفعہ بل بھی بہت بن جائے گا۔ جب کوئی گھبراہٹ ہوتی ہے تو کھانے پر زور دیتا ہوں۔

عذرا: اور مجھے کھانا پینا سب کچھ بھول جاتا ہے (کچھ یاد کرتے ہوئے) میں نے تو بیس بار کہا ہے کچھ پراٹھے ساتھ لے جایا کرو۔

نفیس: کون مصیبت کرے (چارپائی پر بیٹھتے ہوئے) اور پھر دفتر میں لیموں نچوڑ بابو ہے۔

عذرا: لیموں نچوڑ بابو؟

نفیس: ہاں، اپنا ایک لیموں کسی کی دال میں نچوڑ کر برابر کا حصہ دار بن جاتا ہے ——

(دونوں خفیف سی ہنسی ہنستے ہیں)

عذرا: تو پھر دو باتیں تو نہیں ہو سکتیں کہ بل بھی نہ بنے اور بھوک بھی اُتر جائے

(نفیس اپنا مُنہ دونوں ہاتھوں میں دے لیتا ہے)

کیوں، چپ چاپ بیٹھ گئے؟

نفیس: اور تو کیا شور مچاؤں؟ دیکھو مجھے یوں تنگ نہ کرو عذرا ــــــ مجھے آرام سے سو جانے دو۔

عذرا: آئے ہائے ــــــ راستہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں پک جاتی ہیں۔ شادو کے گاہکوں سے ڈرتے ہوئے، سارا دن کواڑ بند کئے اندر پڑی رہتی ہوں اور اب ــــــ

نفیس: (چڑ کر) نہ اندر پڑی رہا کرو۔ بس دیکھنے آتا ہوں کیا۔ خوب رنگ رلیاں منایا کرو مجھ سے یہ ناز برداری نہیں ہونے کی۔

عذرا: (رو نکھی ہو کر) تم بھی یوں کہو گے تو میں زندہ نہ رہوں گی۔

نفیس: اور میں کون زندوں میں سے ہوں۔ مردوں سے بدتر ہوں۔ محلہ والے الگ بدنام کرتے ہیں۔ اُن کا تو خیال ہے کہ ایک شادو گئی اور اس کی جگہ دوسری آگئی ــــــ

عذرا: محلہ والے جو جی چاہے کہتے پھریں۔ تمہارے سوا میں کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔ اگر تم بھی ایسی باتیں کرنے لگے تو میرا کون ٹھکانا ہے؟ . . . . اب جو لوگ آتے ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں تھوڑے کسی کو بلانے جاتی ہوں۔

نفیس: یہی تمہاری بھول ہے کہ تم صرف میرے آگے جوابدہ ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے ہم خودکشی میں حق بجانب ہیں۔ ہم اپنے آپ کو نہیں مار سکتے اگرچہ یہ جسم ہمارا اپنا ہے۔ اس کے لئے ہم حکومت کے سامنے جوابدہ ہیں. . . . . اس جسم کے علاوہ ہمارا ایک اخلاقی جسم بھی ہوتا ہے جسے پامال کرنے کے لئے ہم گلی کوچے کے ہر کتے بچے، بوڑھے کے حضور میں جوابدہ ہیں ــــــ

عذرا: لیکن ہم نے کون اخلاقی خودکشی کی ہے؟

نفیس: اوہ تو کچھ بھی نہیں جانتیں۔ تم نے سنا ہے خلق کی آواز خدا کا نقارہ ہوتی ہے۔ بس وہ

نقارہ بج رہا ہے اگر تمہارے کانوں میں اس کی آواز نہیں گونجتی تو تم بہری ہو ـــــ اس میں تمہارے، کانوں کا قصور ہے۔

عذرا: اس کا یہ مطلب ہوا اگر چار آدمی اٹھ کر تمہیں برا کہنے لگیں تو تم برے ہوگئے ؟ ـــــ

نفیس: برا نہیں ہوا لیکن بجائی سے آلودہ ضرور ہوگیا۔ میرا ایمان ہے کہ دس آدمی مل کر تمہیں کہیں تمہارے چہرے پہ ناک نہیں ہے تو تم ضرور سمجھ لو کہ خدا نے تمہارا چہرہ ناک کے بغیر ہی بنایا تھا اگرچہ آئینہ اس کے خلاف ہی گواہی دے ـــــ

عذرا: (زہر خند سے) اچھی بات ہے ـــــ اگر ان آدمیوں نے کسی کو پاگل کر دینے کی سازش کی ہو تو ....

نفیس: نہیں نہیں۔ تم اسے مذاق میں ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔ جس آدمی کو یہ بات کہنے کے لئے دس آدمی اکٹھے ہوں گے اپنا وقت صرف کر سکیں گے اس آدمی میں ضرور کوئی نہ کوئی نقص ہوگا۔ کم از کم وہ اس قابل ضرور ہوگا کہ اس کا مذاق اڑایا جائے ...... اور جب یہ ہو جائے تو پاگل پنے اور ناک کے نہ ہونے میں صرف عقیدے کا فرق ہے نا ـــــ دیکھو، تم پھر ہنس رہی ہو......

عذرا: اچھا، اگر تمہیں میرا ہنسنا ناگوار گزرتا ہے تو میں نہیں ہنستی لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے اور اگر میرا قصور ہے تو تم بھی اس قصور میں برابر کے حصہ دار ہو۔

نفیس: آہ !...... (سرد آہ بھر کر لیٹ جاتا ہے)

عذرا: دیکھو، اب جلتے ہو

نفیس: نہیں میں ہنس نہیں سکتا جب کہ میرا دل رو رہا ہے۔ محلہ والوں نے ہمارے خلاف ایک سازش کر رکھی ہے۔

عذرا: آج کی سازش ہے وہ۔ دو مہینے ہمیں یہاں آئے ہوگئے ... تب سے یہ باتیں ہو رہی ہیں۔

نفیس: تمہارے خیال میں تو صرف باتیں ہو رہی ہیں۔

عذرا: اور نہیں تو کیا ہو رہا ہے؟

نفیس: چہ میگوئیوں کی حد سے گزر کر محلے کے معتبر آدمیوں نے ایک جلسہ کیا ہے جس میں یہ طے پایا ہے کہ ہمیں یہاں سے چلے جانے کا مشورہ دیا جائے۔

عذرا: (گھبرا کر) سچ؟

نفیس: اور تو کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔

عذرا: نہ جائیں تو وہ کیا کر لیں گے؟

نفیس: کوئی ایک طریقہ ہے تنگ کرنے کا۔ وہ کئی طریقوں سے ہمیں پریشان کر سکتے ہیں۔

عذرا: مثلاً ......

نفیس: مثلاً..... مثلاً ..... وہ حاکمانِ شہر کو شکایت کر سکتے ہیں کہ اس مکان میں درپردہ فحاشی ہوتی ہے۔ جو شادو کا کوئی گاہک آئے تو وہ پولیس کی معرفت ہمیں پکڑوا سکتے ہیں۔ وہ ہمارا حقہ پانی بند کر سکتے ہیں۔

عذرا: حقہ پانی کی تو ہمیں پروا نہیں کرنی- ہاں ——— دوسری باتیں البتہ..... لیکن ہمیں ان باتوں سے لڑنا چاہیئے۔ میں نہیں مان سکتی قانون ایسا ہی موم کی ناک ہے کہ اُن کی مرضی کے مطابق .....

نفیس: دماغ میرا ابھی ان باتوں کو قبول نہیں کرتا۔ لیکن جب ٹھنڈے دل سے غور کرتا ہوں تو اسی نتیجے پر پہنچتا ہوں۔ کہ اگر دفتر والوں تک بھی یہاں کی باتیں پہنچ گئیں تو میں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا..... کتنے آدمی ہوں گے۔ جو سمجھیں گے کہ یہ شریف انسان ہے۔ زیادہ تعداد اُن آدمیوں کی ہوگی جو یہی سمجھیں گے کہ اپنی بیوی سے .....

عذرا: بس چپ رہو..... کسی طرح یہاں سے نکل جاؤ۔ خواہ ہمیں کسی چھپرکھٹ کے نیچے

ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔

نفیس: ہاں میں چلا جاؤں گا۔ میں اپنی عزت کے لئے لڑوں گا نہیں۔ سڑو نہیں مچاؤں گا۔ میں شریف انسان ہوں تم جانتی ہو جب ہم نئے نئے اس مکان میں آئے تھے۔ تو اس روز ایک طالب علم ـــــ کیا نام ہے ـــــ نام یاد نہیں رہا۔ بہرحال ایک طالب علم شاہد سے ملنے آیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ شریف آدمی اپنی بیٹی کی بے حرمتی دیکھ کر بھی عدالت کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے ـــــ بس اس کے الفاظ میں آدمی کی جگہ خاوند اور بیٹی کی جگہ بیوی کر لو ـــــ

عذرا: اس شرابی چھوکرے کی باتوں پر جاتے ہو؟

نفیس: یا تیں بڑی کام کی کہتا تھا وہ شرابی چھوکرا

عذرا: اپنی عزت کو بچانے میں دامن پہ جو داغ لگ جاتے ہیں وہ مبارک ہیں ـــــ تم زیادہ پرواہ نہ کیا کرو۔ آدمیوں کچھ سناؤں ہی مل جائے گا ذرا۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نفیس: گویا پڑوسیوں کو اس بات کا ثبوت دیں۔ یہاں یہی دھندہ ہوتا ہے۔

عذرا: آنے دو اور تو کہا بالکل گھٹ کے مر جائیں۔

(طبلہ والے آتی ہے اور اسے چھیڑتی ہے)

نفیس: عذرا تم نہیں سوچتیں ہم یہاں پردیسی ہیں ـــــ کل کلاں کوئی بات ہوئی تو ہماری حمایت میں یہاں ایک آدمی بھی کھڑا نہ ہوگا۔

عذرا: کوئی نہ ہو ـــــ خدا جو ہمارے ساتھ ہے۔

نفیس: خدا بہت دور کی بات ہے۔ ۔ ۔ ۔ عذرا بیٹھو ـــــ یہ آواز کدھر سے آرہی ہے؟

(کھڑکی سے باہر دو آدمی باتیں کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی شکلیں بھی دھندلی دھندلی نظر آتی ہیں)

متواری: دیکھو، میں نہ کہتا تھا۔ صاف آواز آرہی ہے۔ اندر کوئی آدمی بھی ہے۔

مرزا شوکت: ہاں اور کوئی ساز معلوم ہوتا ہے ستار کے مرافق۔

بنواری: بس نہ کہتا تھا ــــــ ان کا یہاں ہونا ہمارے محلے کی بہو بیٹیوں کے لئے بہت خراب ہے بمشکل سے شادو کو یہاں سے نکالا تھا۔ . . . . . . (وقفہ) تو اب کیا ارادہ ہے!

مرزا شوکت: میرے خیال میں اندر چل دو ــــــ جورو کا تو محلے کے نام پر ستو پجادیں گے اور جو نہ رو کا تو ہمارا کام بنا بنایا ہے ــــــ عورت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ تم نے اس دن اسے لفافہ خریدتے ہوئے دیکھا تھا!

(مل کر ہنستے ہیں)

مرزا شوکت: اب کہو ذرا ہمت . . . . .

(نفیس یہ باتیں سن کر کھڑکی کی طرف آتا ہے)

نفیس: خبردار کسی نے کھڑکی پہ آنے کی کوشش کی! یہاں اب نہ شادو رہتی ہے اور نہ ایسی کوئی عورت۔

بنواری: (آہستہ سے) صاحب! ہمیں کوئی شادو سے کوئی خاص وہ نہیں ہے۔

مرزا شوکت: ہم تو دو گھڑی . . . . .

نفیس: میں کہتا ہوں یہاں سے بھاگ جاؤ ــــــ اب شادو کی جگہ یہاں گرہستی رہتے ہیں اور ان کے متعلق آپ کا اندازہ سراسر غلط ہے۔

بنواری: چلو یار ــــــ چل دو ــــــ جانے کیا مصیبت ہے۔

مرزا شوکت: یونہی چل دیں؟ اس محلے میں چراغ تلے اندھیرا ہم نہیں دیکھ سکتے۔ بلکہ ہم کل امام صاحب کو بھی ساتھ لے لیں گے۔ پھر دیکھیں گے یہ لوگ کس طرح محلے میں رہ کر بدکاری کر سکتے ہیں

(کچھ سوچ کر)

لیکن یار تم تو یونہی ڈر گئے ــــــ جتنا یہ آدمی اچھل اچھل کر آتا ہے مجھے اتنا ہی

دال میں کالا کالا معلوم ہوتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا ڈھنگ ہوتا ہے اور میری بات سنو
(کانوں میں کچھ کہتا ہے جو نفیس اور عذرا کو سنائی نہیں دیتا)

نفیس: بے ہودہ لوگ ہیں ——— کب تک ان کی باتیں سُنتے جائے آدمی؟

عذرا: میں کہتی ہوں سن کر بھی کچھ نہیں سُننا چاہیئے کسی کا منہ تھوڑے باندھا جاتا ہے چپکے سے سو جاؤ۔

نفیس: ہاں سو جاؤ

(آہستہ آہستہ دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے)

لیکن یہ ہوتے ہوتے زنجیر ہلا رہا ہے کوئی۔

عذرا: وہی لوگ ہوں گے ——— اور ہوا کریں

نفیس: ہاں، سو جاؤ

عذرا: لیکن ——— مجھے نیند نہیں آتی

نفیس: تمہیں فکر کس بات کی ہے؟ گہنا پاتہ تمہارے پاس نہیں ہے۔ کواڑ بند ہی ہیں۔ کب کیا کہ چلے جائیں گے۔

عذرا: خود تو مرس کھیں، ہمیں ناحق پریشان کرتے ہیں ——— جب تک چلے نہ جائیں مجھے تو نیند نہیں آنے کی۔

نفیس: جو تمہارا مطلب ہے کہ فساد بپا کیا جائے تو میں اس کے حق میں نہیں ہوں ——— البتہ اصرار کرو گی تو سر پھٹول کے لئے تیار ہوں۔

(اُٹھنا چاہتا ہے)

عذرا: نہیں نہیں ——— پڑے رہتے چپکے سے۔ میں تو یونہی کہہ رہی تھی کہ مجھے نیند نہیں آرہی۔ آپ تو سارا دن دفتر میں کام کرتے کرتے تھک جاتے ہیں۔ آپ سو جائیں۔

(کچھ دیر بعد ڈر کر)

بس کہتی ہوں جی ــــ کو ڈابل رہے ہیں۔ جیسے کھل گئے ہیں!

نفیس: ہیں ــــ سنو! قدموں کی آواز بن آرہی ہیں گویا کوئی ڈیوڑھی میں کھڑا ہے!.....
اندر چلا آرہا ہے (بلند آواز میں) ــــ کون ہے؟

مرزا اشوکت: ہم ہی ہیں صاحب ــــ آپ کے محلے دار، بنواری لعل اور مرزا اشوکت...

نفیس: آپ کیسے اندر چلے آئے ــــ؟ آپ کو یہاں آنے کی کس نے اجازت دی؟....

بنواری: (گھبرا کر) ہم کیسے اندر چلے آئے؟ ــــ ہم یونہی چلے آئے اندر
(کھسیانی سی ہنسی ہنستا ہے)

مرزا اشوکت: ہم آپ کے پڑوسی ہیں ہمیں امام صاحب نے بھیجا ہے۔

نفیس: لیکن یہ کون سا وقت ہے یہاں آنے کا ــــ؟ اور میرے خیال میں دروازہ بند تھا۔
جس کا مطلب ہے۔ آپ دروازہ توڑ کر داخل ہوتے ہیں۔
(عذرا سہمی ہوئی نظر آتی ہے)

بنوری: ہم نے دروازہ توڑا نہیں ــــ بس دھکیلا ہی تھا کہ وہ باہر آگیا۔ بات یہ ہے،
پر لنے کواڑ......

نفیس: آپ محلے دار ہوتے تو ہر گز ایسا نہ کرتے آپ یقیناً چور ہیں ــــ اور مداخلت بیجا کر رہے
ہیں ــــ آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اس وقت کسی شریف آدمی کے مکان پر اجازت
کے بغیر چلے آئیں، میں نے کمرے سے آپ کی گفتگو سن لی تھی...... میں ایک سرکاری
ملازم ہوں اور اپنی بیوی کے ساتھ یہاں رہ رہا ہوں۔ میری بیوی ایک گرہستن ہے کوئی
بھگائی ہوئی عورت نہیں، داشتہ نہیں (قریب پڑی ہوئی ایک لاٹھی اٹھا لیتا ہے) ہم
یہاں سے فوراً چلے جایئے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔

بنوری: (ڈرتے ہوئے) دیکھئے صاحب ہم یوں چلے جائیں گے لیکن آپ کی دھمکی سے ڈرنے
والے نہیں ہیں۔

مرزا شوکت: بابو صاحب ـــــ ہم سب معاملہ سمجھتے ہیں (ذرا درشت لہجہ میں) آپ نے بہو بیٹیوں والے محلے میں یہ اڈہ بنا رکھا ہے۔ محلے والے سب آپ کو جانتے ہیں۔ آپ ایسا ہر آدمی یوں اپنے آپ کو گرہستی ہی کہتا ہے۔

عذرا: (گھبرائے ہوئے) اللہ مارو! اللہ کے قہر سے ڈرو! ہم گرہستی لوگ ہیں، ہمیں یوں تو بدنام نہ کرو۔۔۔ تم لوگوں کی بھی کوئی ماں ہوگی، بہن ہوگی۔ اندازہ کرو اگر کوئی ۔۔۔۔۔

مرزا شوکت: اجی، ہم خوب سمجھتے ہیں یہ باتیں ـــــ

بنواری: ہم یہاں تھوڑی دیر بیٹھنے کے لئے آئے تھے اور ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہ تھی۔

نفیس: میں کہتا ہوں ـــــ یہاں سے نکل جاؤ۔ ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔

عذرا: (نفیس کو روکتے ہوئے) خدا کے لئے ـــــ پروردگار کے لئے ۔۔۔۔۔

بنواری اور مرزا شوکت: پہلے یہ لاٹھی رکھ دیجئے ـــــ پھر ہم سے بات کیجئے۔

(ڈیوڑھی کی طرف سے پولیس انسپکٹر مائیکل اور ایک کانسٹیبل داخل ہوتے ہیں)

سب انسپکٹر مائیکل: ٹھہر جاؤ ـــــ رک جاؤ ـــــ تم سب لوگ حراست میں ہو۔

نفیس: (لاٹھی چھوڑ کر) مدد ـــــ مدد، میں کہیں کا نہ رہا انسپکٹر صاحب (تقریباً روتے ہوئے) میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ مجھے اور میری بیوی کو حراست میں لے لیجئے ـــــ ہم دونوں آپ کی حراست میں اس آزادی سے اچھے رہیں گے۔

عذرا: میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں انسپکٹر صاحب (جھکتی ہے)، ہمیں اس مصیبت سے بچائیے ـــــ ہم بے گناہ لوگ ہیں ـــــ

سب انسپکٹر مائیکل: دیکھئے ـــــ آپ خاموش رہئے، میرے پاؤں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

کانسٹیبل: یہ سب عیاڑی ہے، انسپکٹر صاحب ـــــ ان سے پوچھئے کہ یہ آدمی کون ہیں؟

سب انسپکٹر مائیکل: پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو صاف ظاہر ہے۔ آج تک میں نے کسی مجرم کو۔۔۔

نفیس: (جذباتی انداز میں) کون مجرم؟ انسپکٹر صاحب، میں مجرم ہوں اور میری بیوی۔۔۔

سب انسپکٹر مائیکل : نفیس صاحب آپ ہی ہیں ؟
مرزا شوکت : جی ہاں ، یہ انہی کی نفاست ہے
سب انسپکٹر مائیکل : آپ چُپ رہئے ۔
نفیس : نفیس میرا ہی نام ہے ـــــ لیکن میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی رُو سے میں مجرم گردانا جاؤں ۔ یوں جیسا کہ میں نے عرض کیا ، آپ کی قید میں آنے کے لئے تیار ہوں ۔
بنواری : جھگڑے کی نوبت یہی ہے ۔ اب کہ ہو بیٹیوں کے اس محلے میں .....
سب انسپکٹر مائیکل ، بکومت ! ان باتوں کو میں تم لوگوں سے زیادہ سمجھتا ہوں ـــــ یہ درست ہے کہ ان لوگوں نے اس مکان کو فحاشی کا اڈہ بنا رکھا ہے ۔ لیکن آپ اس وقت یہاں کیسے تشریف لائے ؟ کیا آپ دن کے وقت ان لوگوں کو اخلاق کا سبق نہیں پڑھا سکتے تھے ؟
نفیس : فحاشی کا اڈہ ـــــ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ؟
مرزا شوکت : دن کے وقت ؟ ـــــ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں ؟ ہم لوگ دن بھر اپنے کام دھندے میں مشغول رہتے ہیں ۔
کانسٹیبل : دن کے وقت محلے دار انہیں کس طرح پکڑ سکتے ہیں ؟
سب انسپکٹر مائیکل : اگر اس کمرے میں محلے والوں کے علاوہ کوئی اور شخص ہوتا جس کی بابت ان لوگوں کو تفصیلات نہ پتہ ہوتیں تو یہ لوگ مجرم تھے لیکن اب یہ محلے دار بغیر کسی یقین ثبوت کے اندر چلے آئے ہیں اور مداخلت بے جا کے مرتکب ہوتے ہیں ـــــ
نفیس : جناب والا ـــــ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ۔
عذرا : ہائے میرے اللہ ! ......
سب انسپکٹر مائیکل : (نفیس اور عذرا سے) میں آپ سے بات کرتا ہوں ـــــ (بنواری سے) آپ کا نام کیا ہے ؟

بنواری لعل : (ادھر اُدھر دیکھ کر) میرا نام —— لیکن میں تو . . . . . .

سب انسپکٹر مائیکل : میں آپ کو نکلنے نہیں جا رہا —— میں صرف نام پوچھ رہا ہوں، اتنا گھبرائیے نہیں۔

بنواری لعل : میرا نام ب . . . بنواری لعل ہے!

سب انسپکٹر مائیکل : (مرزا شوکت سے) آپ کا اسم گرامی ؟

مرزا شوکت : لیکن انسپکٹر صاحب، ہمارا گناہ کیا ہے ؟ طوائف کے دروازے تو خلق خدا کے لئے کھلے ہوتے ہیں۔ جو ہم اندر چلے آئے تو کیا جرم کیا —— ؟

سب انسپکٹر مائیکل : خوب! —— یہ خلقِ خدا کے الفاظ کا بھی خوب استعمال ہوا۔ لیکن صاحب آپ تو محلے دار کی حیثیت سے تشریف لائے تھے تاکہ یہ اڈہ اُٹھوا کر محلے کے لوگوں کی بہو بیٹیوں کی آبرو بچائی جاسکے ——

مرزا شوکت : (گھبرا کر) نہیں میرا مطلب ہے . . . . .

سب مائیکل : آپ اپنا نام بتایئے ؟

بنواری لعل : (ڈرتے ہوئے) آپ کا نام مرزا شوکت ہے!

(مرزا شوکت غصے سے بنواری لعل کی طرف دیکھتے ہیں)

مرزا شوکت : لکھ لیجئے —— میں کوئی ڈرتا تھوڑے ہوں۔ یہیں امام صاحب نے بھیجا ہے۔ تاکہ اس بات کی تحقیق کی جائے۔

سب انسپکٹر مائیکل : چلئے۔ اس بات کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے (کانسٹیبل سے) سرداجی! انہیں باہر لے جاؤ تاکہ دوسرے محلے داروں کے ساتھ ان کی بھی گواہیاں پیش کی جائیں۔

مرزا شوکت : لیکن ایک بات کا خیال رکھ لیجئے گا۔ ہم باعزت شہری ہیں اور

سب انسپکٹر مائیکل : جی ہاں، میں جانتا ہوں آپ تشریف لے جایئے۔

(کانسٹیبل بنواری اور مرزا شوکت کو باہر لے جاتا ہے)

(نفیس سے)

نفیس صاحب! آپ کے آبائی گھر اور دفتر کا پتہ میرے پاس ہے۔ آپ پہلے جس بیجوری وکٹس میں رہتے تھے وہاں تفتیش کی جا چکی ہے۔ اس جگہ آپ کب سے رہ رہے ہیں؟

نفیس: عرصہ دو ماہ سے۔

سب انسپکٹر مائیکل: نہیں، آپ کو غالباً یہاں آئے دو ماہ اور چودہ دن ہوتے ہیں۔

عذرا: جی ہاں، بس اتنے ہی دن ہوتے ہیں،

سب انسپکٹر مائیکل: (نفیس سے) جب آپ یہاں آئے تو آپ کو پتہ نہیں تھا کہ اس مکان میں شمشاد د بائی طوائف رہتی تھی؟

نفیس: نہیں صاحب! میں بنا جانے بوجھے اسباب اُٹھوا کر ادھر چلا آیا۔ تب سے ہر روز یہی قصہ ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی ہار اور دروازہ کھٹکھٹاتا ہی رہتا ہے اور محلے والوں کو ہم پر شک کرنے کا موقع دیتا ہے ——— اور یہ چقلش جاری ہے!

سب انسپکٹر مائیکل: چقلش سے آپ کا کیا مطلب؟

نفیس: یہی ——— نیا مکان تلاش کرنے اور نہ ملنے کی اور بنواری اور مرزا ایسے لوگوں کے ساتھ جھگڑنے کی۔ آج تک میں یہی سمجھتا آیا تھا کہ ہمیں اپنے ہی گناہوں کا حساب دینا ہوتا ہے لیکن نقل مکانی کے اس تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ انسان اپنے بچوں، اپنے ماں باپ، بھائی بہن، بیوی کے کردار کا ہی ذمے دار نہیں ہوتا بلکہ اپنے پڑوسیوں کے قول اور فعل کے لئے بھی گردن زدنی ہے۔

عذرا: تمام دن ہمارا دروازہ بند رہتا ہے ——— ہم ڈر کے مارے کواڑ کھولتے ہی نہیں۔ آپ کواڑ دیکھ کر پتہ کر لیجئے کہ یہ لوگ دروازہ الگ کر اندر آئے ہیں یا نہیں ——— ہم اور

کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ـــــ جتنا ہم زیادہ بولتے ہیں۔ اتنے ہی گنہگار معلوم ہوتے ہیں ـــــ اگر آپ بھی ہمیں قصور وار سمجھتے ہیں تو جو سلوک آپ چاہیں، کریں ـــــ

سب انسپکٹر مائیکل: آج کا واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ـــــ میں سب معاملے کی جانچ پڑتال کر چکا ہوں آپ بے حد شریف ہیں اور یہی آپ کا جرم ہے ـــــ (نفیس سے) آپ کل تھانے میں تشریف لایئے نفیس صاحب اور نیک چلنی کی ضمانت داخل کیجئے ـــــ

نفیس: نیک چلنی کی ضمانت؟

عذرا: نیک چلنی کی ضمانت!.... (رو کر) میرے اللہ!

نفیس: انسپکٹر صاحب..... مجھے بد چلن ہی سمجھ لیجئے۔ لیکن میں نیک چلنی کی ضمانت داخل نہیں کر سکوں گا۔ اس سے پہلے رشتہ داروں میں یہ بات نہیں پھیلی پھر اُن میں بھی پھیل جائے گی۔ آپ مجھے گرفتار کیوں نہیں کر لیتے! میں حاضر ہوں (دونوں ہاتھ بڑھا دیتا ہے) میرے پاس کوئی ضامن نہیں۔ اس محلے میں میرا کوئی واقف نہیں کوئی ہمدرد نہیں۔ (عذرا بدستور رو رہی ہے)

سب انسپکٹر مائیکل: آپ سمجھتے نہیں ہیں ـــــ صرف ایک کاغذی کارروائی مکمل کرنی ہے اگر کوئی ضامن نہ ملا تو، میں آپ کو جیبا کر دوں گا۔ آپ محلے والوں سے ڈریں نہیں..... میں آپ کی پوزیشن کو خوب سمجھتا ہوں۔ مجھے آج سے اپنا ہی سمجھئے۔

نفیس: یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انسپکٹر صاحب؟ ـــــ ہم آپ کے قابل نہیں ہیں.... آپ نہیں جانتے ہم آپ کے کتنے ممنون ہیں.....

سب انسپکٹر مائیکل: آپ خوف نہ کھایئے۔ میں ہر طرح سے آپ کی مدد کرنے کو تیار ہوں ......(عذرا سے) میری بیوی بھی آپ کی طرح گانے بجانے کا شوق رکھتی ہے۔

(نفیس سے) کیا آپ دونوں پیر کے روز میرے ساتھ چائے پی سکتے ہیں؟

عذرا: ہم آپ کے بہت شکرگزار ہیں —— آپ ان محلے والوں سے ہماری خلاصی کروا دیجئے۔ آپ کو بہت بڑا ثواب ہوگا...... مجھے خود آپ کی بیگم صاحبہ سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا ہے! آپ جب چاہیں گے ہم آپ کے گھر پہنچ جائیں گے۔

سب انسپکٹر مائیکل: (قدرے گھبرا کر) چائے گھر پہ ممکن نہیں ہو سکے گی...... دیکھئے نا ذرا میری بیوی بیمار رہتی ہیں، چائے باہر پی سکیں گے کہیں ..... پھر سیر تماشا ہو جائے گا، بہرحال —— میں عرض کروں گا کل آپ تھانے تشریف لا رہے ہیں نا؟ —— میں چلتا ہوں —— خدا حافظ!

(جاتا ہے)

نفیس: جی ہاں، میں کل صبح حاضر ہو جاؤں گا...... خدا حافظ!

(وقفہ)

نیک چلنی کی ضمانت! —— چائے کی دعوت!...... کہیں اس سے بڑا گڑھا تو نہیں کھودا جا رہا؟

عذرا: میں کیا جانوں؟ —— ہائے میرے اللہ!

(پردہ)

تیسرا منظر

وہی کمرہ جو پہلے منظر میں نظر آتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اب سب چیزیں قرینے سے رکھی ہیں۔ کونے میں طنبورا پڑا ہے۔ تپائی پر ایک نفیس پاندان رکھا ہے جس کے قریب گھنگرو پڑے ہیں۔ عذرا اس وقت کچھ کپڑے صندوق میں ڈال رہی ہے۔ کپڑے ڈالنے کے بعد وہ صندوق کو چارپائی کے نیچے دھکیل دیتی ہے تاکہ جگہ کچھ اور کشادہ ہو جائے۔ نفیس ایک کھڑکی کے پاس بیٹھا ہے۔ کبھی کبھی بازار میں جھانک لیتا ہے گویا کسی کے آنے کا منتظر ہے۔

عذرا: اب بالکل سر پہ آگئی تمہاری بھانجی کی شادی۔

نفیس: ارے ہاں!.... میں تو بالکل غافل تھا—— کب بیاہی جا رہی ہے نعیمہ؟

عذرا: ہفتہ ہفتہ آٹھ، آٹھ اور آٹھ سولہ اور تین دن اوپر—— آج سے بیسویں روز شادی ہے بلاوے پہ بلاوا آ رہا ہے اور تمہیں کوئی خبر ہی نہیں ہے۔

نفیس: تم نے یہ جتا کر پھر مجھے فکر میں مبتلا کر دیا۔

عذرا: تین سے کم جوڑے دو گے تو عزت نہیں رہے گی اور ایک سوٹ دولہا کے لئے کہیں گے دس برس سے ماموں کما رہا ہے اور اتنا بھی نہ ہوا جو بھانجی کو جوشن ہی پہنوا دیتا

نفیس: دو جوڑے، ایک سوٹ اور پھر ایک جوشن—— یہ کیا بات کر رہی ہو تم! ہم مسلمانوں میں.....

عذرا: میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ ہم ٹھیک مسلمان ہیں لیکن راجپوت ہونے کی وجہ سے ہماری تمام رسمیں تو ہندوانہ ہیں نا۔

نفیس: میں کوشش کر رہا ہوں عذرا، لیکن دیکھنے والے اندھے ہیں کیا؟ تمہارے اپنے پہننے کو کپڑا نہیں ہے اور پرسے سرپاں منہ پھاڑے آ رہی ہیں۔ مجھ سے تو سب ہو گا بنوا دوں گا۔

عذرا: یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس سے کم میں عزت نہ رہے گی، کہے دیتی ہوں، آپا کہے گی ــــ بھانجی کا بیاہ کب روز روز ہوگا۔ اس سلسلے میں تو ہمیں تھوڑے بہت اُدھار سے بھی نہیں ڈرنا چاہیئے ...... بہت نہیں تو گزارے سے موافق ہی سہی (وقفہ)

نفیس: دیکھو، میں کچھ انتظام کرتا ہوں ...... دراصل میں تمہارے متعلق ایک عرصہ سے سوچ رہا تھا۔

عذرا: میرے متعلق مت سوچو ــــ میرا تو گزارہ ہو ہی رہا ہے۔ میں کہتی ہوں تم بھی بھلا دفتر کے دوسرے لوگوں کی طرح کیوں نہیں ہو جاتے؟ ...... اس تنخواہ میں گزارہ تو ہونے سے رہا۔ کبھی کبھار پیسے لے لینے سے کیا ہو جاتا ہے ــــ یہ عزیزی بھی تو سوگنا ہوں کا گناہ ہے۔

نفیس: رشوت کے نام پر جیسے اسرافیل کا صُور سنائی دینے لگے وہ کیا کرے؟ مرکر ہمیں خدا کو جواب دینا ہے۔

عذرا: تمہارا کیا خیال ہے باقی خدا کی تمہاری طرح ہی ہے؟ وہ لوگ آخر کیا جواب دیں گے؟ جو جواب وہ دیں گے وہ تم بھی دے لینا ــــ پھر تم اسے عادت نہ بناؤ۔ ہوا ایک آدھ بار کسی سے کچھ لے لیا جب کام نکل گیا تو پھر مُنہ نہ لگایا کسی کو ــــ

نفیس: ہاں عذرا! میں تم سے پہلے اس نتیجہ پہ پہنچ چکا تھا بلکہ میں نے ٹھیکیدار عرفانی کو گانٹھ بھی لیا تھا ــــ اس نے یہاں چھ بجے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن اس وقت ساڑھے چھ بجے ہیں اور اس کی شکل تک نظر نہیں آتی۔

عذرا: (قدرے آسائش کے احساس سے) کتنے پیسوں کی اُمید ہے؟

نفیس: یہی سات آٹھ سو کی ــــ ارے! ایک پُلی کا ٹھیکہ تو ہے کہیں بڑے صاحب سے براہ راست نہ لے لے۔ میں نے پہلے تمہیں نہیں بتایا کہیں تم مجھے برا بھلا نہ کہو۔ بلکہ مجھے یہ فکر دامنگیر تھی کہ تمام بات کھل جانے پر میں تمہیں کیا مُنہ دکھاؤں گا ــــ

کچھ تمہیں حیران کر دینے کا ارادہ بھی تھا..... اب تم خود ہی اس کی تائید کر رہی ہو۔

عذرا: (کھڑکی کی طرف جاتے ہوئے) کس قسم کا آدمی ہے؟ —— کھڑکی میں دیکھتی ہوئے۔

نفیس: یہی دُبلا پتلا سا آدمی ہے —— لوکی سے سر پر ایک ڈھیلی ڈھالی ڈگمگاتی ہوئی ہیٹ پہنتا ہے اُس کی پہچان یہ ہے کہ پاجامہ کے ساتھ ہیٹ......

عذرا: (کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے) ابھی تک تو دُور گلی کے اس سرے پر بھی کوئی نظر نہیں آرہا ——

نفیس: (سوچتے ہوئے) عذرا! تمہاری اس تائید کے بدلے ایک قسم کی تسکین تو مزور ہو گئی ہے لیکن مجھے ایک طرح کا رنج بھی ہوا ہے!

عذرا: (ہنستے ہوئے) نفیس! تم ساری زندگی اس قدر شریف رہے ہو، مجھے بتاؤ، تمہیں اس سے کیا حاصل ہوا؟ یہاں محلے میں جو ہماری بدنامی ہوئی ہے اور اب تک رسوائی ہوتی ہے اس کے لئے ہماری شرافت ہی تو ذمہ دار ہے..... ابھی کل ہی امام بالڑے کی ایک عورت سے میری لڑائی ہوتی۔ اس نے جو کچھ کہا —— الٰہی پناہ! اللہ دے اور بندہ لے۔ لیکن اب تو یہ باتیں دل پر اثر ہی نہیں کرتیں ...... (پان لگاتے ہوئے) یہاں آکر ہمیں بھی پان کھانے کی عادت ہوگئی ہے۔

نفیس: (پان لیتے ہوئے) تم نے تو مجھے بتایا ہی نہیں عذرا!

عذرا: کیا نہیں بتایا؟

نفیس: یہی لڑائی کے متعلق

عذرا: تم دفتر سے تھکے ماندے آتے ہو —— میں نہیں چاہتی میں تمہیں اس قسم کی باتیں سنا کر پریشان کیا کروں۔ اور وہ عورت خود محلے بھر میں مشہور ہے پہلے پہل لوگوں نے اس کے متعلق واد یلا کیا لیکن جب اس نے سب کی ماں بہن کو دھر لیا تو

سب چپ ہوگئے ـــــ اب کوئی اس سے الف سے ب تک نہیں کہتا ۔ ۔ ۔ ۔

نفیس: یہ ہم ہی ہیں جنہوں نے سب کچھ شرافت سے سن لیا ہے ـــــ اور اس لئے انہیں ہمارے منہ آنے کا موقع بھی مل گیا۔

عذرا: (کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے) ٹھہرو، گلی میں کوئی آرہا ہے ـــــ ٹھیکیدار عرفانی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نفیس: میں دیکھتا ہوں (کھڑکی کی طرف جاتا ہے)

اوں ہوں ـــ یہ تو کوئی کبوتر باز ہے۔ دونوں ہاتھوں میں کبوتر تھامے اور گلے شاہی جوتا پہنے جا رہا ہے حمیدو کا بیٹا ہے ـــ جمیدو پہلوان کا ۔ ۔ ۔ (وقفہ) اب تو کافی دیر ہوگئی عرفانی نے کہا تھا جو میں پچھ بجے تک پہنچ گیا تو بہتر ورنہ نہیں آؤں گا (مایوسی سے) شاید بڑے صاحب کو مل لیا ہو۔

عذرا: (مایوسی سے) ہاں شاید بڑے صاحب کو مل لیا ہو۔ پیسہ ہماری قسمت میں نہیں۔

نفیس: تو اب کیا ہوگا ـــــ نصیرہ کی شادی پہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

عذرا: (منہ ملیا کرتے ہوئے) تو گویا اب وہ نہیں آئے گا؟

نفیس: معلوم تو یہی ہوتا ہے ـــــ اچھا اگر وہ کل دفتر میں مجھ سے ملنے آیا تو میں ٹھیکے سے انکار کردوں گا۔ صاف کہہ دوں گا میں نے ٹھیکہ وکرم سنگھ کو دے دیا ہے۔

عذرا: یہ وکرم سنگھ کون ہے

نفیس: وہ دوسرا ٹھیکیدار ہے۔

عذرا: وہ کچھ نہیں دے گا؟

نفیس: اگر عرفانی نے کچھ نہ دیا تو پھر میں وکرم سنگھ سے کچھ نہیں لوں گا۔ میں ہر ایک آدمی کو نہیں گانٹھ سکتا۔ اس سے میری نوکری خطرے میں پڑ جاتی ہے اور خود بھی ہیں۔

عذرا: ہاں یہ بات درست ہے۔

نفیس: اچھا تو وہ کون تھی۔ امام باڑے والی عورت؟

عذرا: اچھی وہی قاضی صاحب کی دوسری بیوی تھی۔ گز بھر کی لمبی زبان والی۔ خود گھر گھر جھانکتی
پھرے اور میرے مُنہ آئے ——— میں کیا پروا کرتی ہوں؟

نفیس: تم نے کچھ شادی ہوتیں

عذرا: اور تو میں کیا کم کرتی ہوں ——— اب نہیں میں ڈرتی کسی سے!

(دروازے پر دستک سنائی دیتی ہے)

لو، تمہارے عرفانی آگئے ——— ٹھہرو، میں کھڑکی میں سے دیکھتی ہوں۔

نفیس: نہیں نہیں، میں جاتا ہوں (جاتا ہوں)

عذرا: یہ تمہارا عرفانی نہیں ہے ——— یہ تو کوئی اور ہی ہے موٹا سا آدمی ——— سیاہ
چشمہ لگائے ہوئے۔

نفیس: (دروازے میں رک کر) ہیں! ——— ٹھہرو، میں خود دیکھتا ہوں (جاتا ہے)

عذرا: جانے یہ کون بلا آگئی پھر..... ہاں شاید عرفانی نے اپنا کارندہ بھیجا ہو لیکن شکل
سے تو کارندہ نہیں دکھائی دیتا ——— اوہ! یہ چادر کس قدر میلی ہے!

(اُٹھ کر کمرے کو درست کرنے لگتی ہے۔ جلدی جلدی ایک صاف چادر بچھا
دیتی ہے۔ کچھ دیر بعد نفیس گھبرایا سا داخل ہوتا ہے)

نفیس: ارے بھئی یہ کوئی اور ہی صاحب ہیں۔ سیٹھ شیو برت نام ہے۔

عذرا: عرفانی کے کارندے نہیں؟

نفیس: نہیں ——— کہتے ہیں کئی برس ایک کے بعد آتا ہوں۔

عذرا: اس شہر میں؟

نفیس: ہاں ——— اور شادو کے یہاں

عذرا: تو آپ نے انہیں بتا دیا ہوتا.....

نفیس: وقفہ ——— (کچھ مجرمانہ انداز میں) میں کہتا ہوں......

عذرا: کہو ـــــ

نفیس: اِدھر ے آدمی ـــــ دوسرے کمرے میں بٹھا رکھا ہے انہیں

عذرا: اِدھر کس لئے؟ ـــــ خدا کے لئے یہاں سے مکان تبدیل کرو! ..... پہلے اسے نکال دو۔

نفیس: اتنا امیر آدمی ہے میں اسے یونہی کیسے نکال دوں۔ ... (ڈرتے ہوئے) سیٹھ ہے کوئی چور تو نہیں ہے اسے کچھ دیر عزت اور تکریم سے بٹھاتے ہیں اس کے بعد چلا جائے گا

عذرا: تو بٹھاؤ یہاں ـــــ بس دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہوں ـــــ اول تو تمہیں معلوم ہی ہے ملنے میں۔

نفیس: تم ہی نے کہا تھا کبھی کبھار رشوت لینے سے کیا ہو جاتا ہے ـــــ یہ غریبی بھی تو سو گناہوں کا گناہ ہے!

عذرا: اچھا، تو یہ بھی ٹھیکیدار قسم کا آدمی ہے اور اس سے بھی رشوت ممکن ہے؟

نفیس: نہیں ایسی رشوت نہیں

عذرا: (گھبرا کر) تو پھر کیا ہے؟

نفیس: تم ہی نے تو کہا تھا، تم ساری زندگی اس قدر شریف رہے ہو، مجھے بتاؤ ـــ تمہیں اس سے کیا حاصل ہوا؟ محلے میں جو ہماری بدنامی ہوئی اس کے لئے ہماری شرافت ہی تو ذمہ دار ہے!

عذرا: تو پھر تمہارا مطلب کیا ہے؟

نفیس: (ڈرتے ہوئے) میں کہتا ہوں ـــــ ایک گانا سنا دو سیٹھ صرف گانے کا شوقین ہے سو ایک روپیہ ہو جائے گا۔ گانا سنانے میں کیا حرج ہے؟

عذرا: یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے ـــــ لوگ کیا کہیں گے؟

نفیس: لوگ پہلے کیا کچھ نہیں کہتے؟ ـــــ اور پھر ابھی تم کہہ رہی تھیں میں کسی سے نہیں ڈرتی ـــــ آہستہ سے کچھ سنا دینا

عذرا: نہیں، میں کہتی ہوں تم بھی

نفیس: ارے صرف گانا ہی تو ہے —— دیکھنا پتہ نہ چلے، ذرا اچھی طرح پیش آنا (آواز دیتے
ہوتے) سیٹھ جی! (سیٹھ شیوبرت اندر چلے جاتے ہیں)

شیوبرت: آداب عرض کرتا ہوں!

عذرا: (سخت گھبراہٹ میں) آداب عرض —— آپ (کچھ سوچ کر تپائی کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے) ادھر بیٹھ جائیے۔

نفیس: (پلنگ کی طرف ہاتھ کرتے ہوئے) تشریف رکھئے۔

شیوبرت: (بیٹھتے ہوئے) کہئے مزاج اچھے ہیں؟ ..... (بغیر جواب کا انتظار کئے) سال
میں ایک بار میں شمشاد کے یہاں آتا ہوں —— اب کے پتہ چلا اُس کی جگہ آپ تشریف
رکھتی ہیں —— اور آپ —— آپ کے سازندے کہاں ہیں؟

نفیس: (مجرمانہ گھبراہٹ کے ساتھ) دراصل ان کی طبیعت اچھی نہ تھی اس لئے سازندوں کو
رخصت کر دیا۔

(طنبورا اٹھا کر عذرا کے ہاتھوں میں تھما دیتا ہے..... عذرا کانپتے ہوئے
ہاتھوں سے طنبورا لے لیتی ہے)

لیکن اب جب کہ آپ تشریف لے آئے .....

عذرا: (گھبرا کر) میں نہیں گا سکوں گی۔

نفیس: —— ذرا وہ سنا دو —— جلد آجا کہ جی ترستا ہے!

(عذرا بڑی کوشش سے طنبورا چھیڑتی ہے۔ دروازے میں مراتب
نمودار ہوتا ہے)

مراتب: (خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ) پان درکار ہوں گے سرکار کو؟

(پردہ گر جاتا ہے)

آج

"زندگی" "کبیرے" "زندگی اور موت" میں موت کی اداکارہ قوم کی امریکن ہے۔

"موت" "کبیرے" "زندگی اور موت" میں موت کی اداکار، ایک خوب صورت، انگریز لڑکی

"ہیڈ ویٹر" ریستوران کا منیجر —— ایک معمر انگریز جو اپنے لحیم چہرے کی وجہ سے چرچل معلوم ہوتا ہے۔

پروفیسر ملہوترا، ایک ماضی پرست انسان جو اپنے آپ کو گاندھی سے کم نہیں سمجھتا۔

بلونت، امرت اور شنکر، ہندوستانی طالب علم جن میں شنکر کمیونسٹ ہے

صفدر، آرٹسٹ، جو ایک گراموفون کمپنی میں ملازم ہے۔

بیرے، اور ہوٹل کے دوسرے مہمان

وقت ۱۹۴۲ء جب کہ روز ویلٹ کے ذاتی سفیر فلپس نے ہندوستان کے متعلق انکشافات کیے تھے اور مسٹر چرچل بہت بیچ پا ہوئے تھے۔

مقام کسی پریذیڈنسی شہر کا ایک بڑا ریستوران

پردہ اُٹھنے پر کیبرے "زندگی اور موت" دکھائی دیتا ہے۔ حاضرین بڑے انہماک سے اس ناچ کو دیکھ رہے ہیں ..... "زندگی" بھڑکیلا لباس پہنے ہوئے ہے اور "موت" نے ایک سیاہ فرغل اوڑھ رکھا ہے۔ "موت" "زندگی" کا پیچھا کرتی ہے، لیکن شوخ و تنگ زندگی بار بار طرح دے کر نکل جاتی ہے۔ آخر "موت" "زندگی" پر چھا جاتی ہے۔

ناچ کے فوراً بعد تالیوں کے شور میں "زندگی" اور "موت" ایک طرف ہو جاتی ہیں۔ کچھ دیر بعد کیبنے کے ایک کونے میں "زندگی" لوگوں کی نظروں سے چھپی ہوئی، منیجر سے باتیں کرتی نظر آتی ہے۔

زندگی: اس وقت کے بجے ہیں، منیجر

منیجر: (اس نے نہیں سنا) ——— فرمائیے محترمہ

بیرہ: (آگے بڑھ کر) جی میم صاحبہ

زندگی: (بیزاری سے) اُوف، میرے خدا! ——— معلوم ہوتا ہے، آج سب لوگ بہرے ہو گئے ہیں ..... میں پوچھ رہی ہوں، اس وقت کے بجے ہیں؟ (ہجوم کی طرف دیکھتے ہوئے) آدھی رات کا عمل ہے اور اس بے ہنگم ہجوم میں سے ایک بھی شریف آدمی اُٹھتا نظر نہیں آتا

منیجر: اوہ! تو گویا خاتون "زندگی" اپنے آپ وقت نہیں دیکھ سکتیں؟

زندگی: میں اکثر مردوں کو خاتون نوازی کا موقع دیتی ہوں، منیجر، اگرچہ کچھ مرد ..... خیر، قصہ یہ ہے کہ میں اوٹ سے باہر نہیں آسکتی۔ دیکھتے نہیں میں نے ابھی تک "زندگی" کا لباس پہنا ہوا ہے۔

مینجر: تو پھر کیا ہے ؟

زندگی: اُونہہ! تو پھر کوئی بات نہیں ؟ ...... کیفے کی بتیوں میں جگمگانے لگے گا یہ لباس
اور یہ سب تمہارے چینی کے برتنوں سے غافل ہو کر میری طرف دیکھنے لگیں گے۔

مینجر: ہاں، یہ ٹھیک ہے ... لیکن کوئی ایسا ہرج بھی نہیں ہے (کلاک دیکھتے ہوئے)
اس وقت بارہ بجنے میں چھ منٹ باقی ہیں۔

زندگی: (ہنستے ہوئے) خوب! گویا پانچ منٹ اور چھتیس سیکنڈ نہیں (پھر ہنستی ہے)
.... بہر حال .... "موت!" .... "موت"، نہ جانے کدھر چلی گئی ہے۔ آج کس خوبصورتی
سے اس نے اپنے چمگادڑ جیسے کالے کالے پر مجھ پہ پھیلا دیئے کس انداز سے "زندگی"
پہ جھپٹی اور آخر دم تک مجھ پر جھکی رہی۔ لوگوں نے تالیاں پیٹ پیٹ کر کان بہرے کر
دیئے ــــ (طالب علموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) وہ ہندوستانی طالب علم بہت خوش ہوئے۔

مینجر: (حسد سے) مجھے بھی خیال ہے انہوں نے کیرسے "زندگی اور موت" پسند کیا ہے۔ .. "موت"
نہ جانے کدھر چلی گئی ہے ابھی وہ اُدھر کھڑی لباس تبدیل کرنے کے متعلق سوچ رہی
تھی اس نے اپنے وہ لمبے لمبے اور کالے ناخن علیحدہ نہیں کئے تھے ....

بیرہ: (داخل ہو کر مخولانہ) "موت" کٹہرے کے قریب کھڑی ہے، ڈرم کے پاس ــــ میم صاحب!
آپ فرمائیں تو.....

مینجر: (ڈانٹتے ہوئے) بیرہ!

بیرہ: معافی چاہتا ہوں حضور! (وردی سنبھالتا ہوا چل دیتا ہے)

زندگی: بیرو! "موت" کو کہہ دو "زندگی" تمہارا انتظار کر رہی ہے (ہنستی ہے) کس قدر مضحکہ خیز
ہے یہ بات! "موت" ایکا ایکی کسی کونے سے نکل آئے گی ــــ بالکل موت کی طرح! ..
انسان زندگی میں موت کے سائے کو محسوس نہیں کرتا۔ وہ نہیں جانتا، اگلے ہی موڑ،
اگلے ہی نکڑ پہ کالی کلوٹی، بھیانک موت ایک معمولی سے چھکڑے پر سوار ہو کر آ رہی ہے ...

(اچانک جھکڑ اُسے روند ڈالتا ہے۔

(ہندوستانی طالب علموں کا شور سنائی دیتا ہے)

ٹھنکر: ہمیں زندگی چاہیئے۔

بلانوش: ایک چھوٹا اور!۔۔۔۔ میں اپنے آپ کو مار ڈالنا چاہتا ہوں ۔۔۔۔ مجھے موت کی ضرورت ہے۔

صفدر: (شراب کا پیگ اٹھا کر ناچتا ہے) اسے ہاں

بغل میں رہتی ہے بوتل کتاب کے بدلے مشق بڑھاتی ہے ہم نے جو بادہ خواری کی بغل میں

زندگی: یہ کون لوگ شراب پی رہے ہیں؟ ۔۔۔۔ شراب مانگ رہے ہیں کیا؟ ۔۔۔۔ کیا بار ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے بند نہیں ہو جاتا ہے آبکاری قانون کے مطابق؟

بیرہ: (اس کے ہاتھ میں ٹرے ہے لیکن وہ متوجہ ہو جاتا ہے) ۔۔۔۔ بند ہو جاتا ہے۔ میم صاحب، لیکن......

بینجر: شٹ اپ فُول! (زندگی سے) ہاں محترمہ! معلوم ہوتا ہے آپ کہیں جانا چاہتی ہیں لیکن شاید بھول گئی ہیں۔ آج ہفتے کی رات ہے۔ ان لوگوں کے علاوہ گھاگھرا ملیٹن کے آدمی بھی یہاں موجود ہیں اور آپ کو گاہکوں کی خاطر ابھی یہیں ٹھہرنا ہے۔

زندگی: میں نے جانے کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ میں صرف یہ پوچھ رہی ہوں، کیا یہ شور مچانے والے وہی نوجوان ہیں......؟

مینجر: وہی ہندوستانی طالب علم ہیں! سب کے سب پیئے ہوئے ہیں اگرچہ بار ساڑھے بارہ بجے بند ہو جاتا ہے لیکن یوں بے دریغ پیسے لٹانے والے گاہکوں کو ہم رد نہیں کر سکتے۔ کیا آپ ان کا ساتھ دیں گی یا خاتون "موت"؟

زندگی: اوہ مینجر! مجھے تو ان کی کمسنی پر رحم آتا ہے! یہ بالکل نو عمر ہیں۔ شراب ان کے پھیپھڑوں کو چھلنی کر دے گی۔ ان کے دل اور دماغ کو ۔۔۔۔ بالکل ناکارہ بنا دے گی مجھے یقین ہے

شباب وشراب نے انہیں پہلے ہی سے بے عمل بنا رکھا ہے۔

منجر: شاید وہ سب طالب علم نہ ہوں مثلاً اس آدمی کو میں جانتا ہوں جس کے ماتھے پر بالوں کا ایک بڑا سا گچھا ہے۔ وہ شاید کسی گراموفون کمپنی میں نوکر ہے۔ لیکن یہ ٹھیک ہے کہ ان میں سے کسی کی بھی عمر پچیس سال سے زیادہ نہیں۔ سب کھوئے کھوئے معلوم ہوتے ہیں، جیسے کسی کو پتہ نہ ہو اُسے کیا کرنا ہے (ہنستے ہوتے) ہمارے حق میں کس قدر اچھی بات ہے! دیکھو وہ پھر شور مچانے لگے ہیں!

پروفیسر ٹھاکر: تمہارا بیٹھنے کا طریقہ مجھے بالکل پسند نہیں، بلانوش!

بلانوس: (ہنستے ہوتے) گویا پروفیسر ٹھاکر ابھی تک اپنے آپ کو کلاس روم ہی میں سمجھتے ہیں۔

امرت: ٹانگیں کرسی کے بازوؤں پر رکھنا بدتمیزی ہے؟ ابھی تک آپ اخلاقیات میں اُلجھے ہوتے ہیں پروفیسر صاحب!

صفدر: یہ اخلاق کس بلا کو کہتے ہیں۔ مجھ سا دھان اور پتھر کے زمانے کا آدمی تو اسے نہیں سمجھ سکتا۔

بلانوش: تم پروفیسر کو کہہ دو (گاتے ہوئے)

...... لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے!

(ہنستے ہیں)

پروفیسر ٹھاکر: نہیں، میں اخلاق کے متعلق کچھ نہیں کہہ رہا صفدر صاحب — میں ..... میں .....

شنکر: اس طرح بیٹھنے کا انداز روسی ہے روسی ہمیشہ کوئی نہ کوئی زاویہ بنا کر بیٹھتے ہیں، اُن کے چہرے پر ہمیشہ کوئی نہ کوئی کیفیت ہوتی ہے اور آپ کی طرح کورے نہیں دکھائی دیتے اس سے اُن کی سوبھاوک آزادی کا پتہ چلتا ہے وہ سمٹ کر نہیں بیٹھتے۔ بعض وقت وہ زمین پر لیٹے ہوتے ہیں تو اُن کی ٹانگیں کرسی پر ہوتی ہیں۔

پروفیسر: اسی بات پر مجھے اعتراض ہے شنکر! تم لوگ کچھ بھی ہندوستانی ڈھنگ میں نہیں کرتے۔

تم بیٹھتے ہو تو روسی انداز میں کھاتے ہو تو انگریزی طرز پر اور بولتے ہو تو فرانسیسیوں کی طرح
مثلاً اگر تمہیں ITISAMIRACLE کہنا ہے تو تم مُنہ کو کچھ اس طرح بگاڑو گے کہ تم
کہتے ہوئے معلوم ہو گے ـــــــ C'ESTUNE MIRACLE

امرت: میرے خیال میں ٹھاکر ٹھیک کہتے ہیں؛ ہمیں مشرقی آداب کو نہیں بھولنا چاہیئے۔

صفدر: مشرقی آداب کو میں بھی پسند کرتا ہوں گاؤ تکیئے، مسند اور پیچوان کی تہذیب کا میں
بھی قائل ہوں۔ لیکن آخر اس کیبرے میں آنے کا مطلب ؟ کس قدر لطیف چیز ہے۔ شراب
سے پہلے ہی سرور کا سامان ہے ؎

میخانۂ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرورِ اوّل دیتے ہیں شراب آخر

(بلند آواز میں) ہمیں زندگی کی ضرورت ہے!

بلانوش: بیرہ! ایک پیگ اور لاؤ۔ میں اپنے آپ کو مار ڈالنا چاہتا ہوں مجھے موت چاہیئے!

بیرہ: حضور بار اس وقت بند ہو چکا ہے۔

صفدر: بکواس بند کرو پاجی کہیں کے۔ جاؤ مینجر سے ہمارا نام بول دو۔

پروفیسر ٹھاکر: ہم انگریزی اوپیرا کو پسند کرتے ہیں، لیکن ہم کرشن یاترا کو بھول گئے ہیں جنہیں
کرشن پجاری اپنے مذہبی تہواروں میں کھیلا کرتے تھے۔ جن میں جیدیو چنڈی داس
اور ودیاپتی کے گیتوں کو گایا جاتا تھا۔ جن میں رادھا اور کرشن روح اور اس کا
سوامی مدھر وچنوں میں نہ مرنے والا پریم جتایا کرتے تھے۔ آہ! جیدیو کا گیت گوند ـــــ
"کتنا گیت نہیں.....؟"

شنکر: ہم پرانی روایتوں کے کندھے پر سوار آگئے ہیں۔ لیکن، ہم لگڑ بگڑ نہیں ہیں جو گڑھے مُردوں کو
اُکھاڑتے پھریں۔ تمہارا باپ سلطان تھا تو تمہیں کیا؟

صفدر: امرت بلانوش (اُٹھ کر) نراجہ ؟ نراجہ ؟ نراجہ ؟

پروفیسر ٹھاکر: (میز پر مُکّا مارتے ہوئے) یہ آپ کے مینی فیسٹو میں لکھا ہے ــــــ آپ اپنے ماضی کو نہیں جھٹلا سکتے۔

تشنگی: ہم اپنے ماضی کے وارث ضرور ہیں۔ لیکن ماضی پرست نہیں ہیں اور یہی فرق ہے جسے ہم کیمونسٹ واجب سمجھتے ہیں۔

پروفیسر ٹھاکر: میں صفدر ایسے ادیبوں کی پروا نہیں کرتا جنھوں نے پرانے ادب کو اپنے آپ میں حل نہیں کیا۔ میں امرت، تشنگی اور بلانوش جیسے کیمونسٹوں کا قائل نہیں جو کسان کانفرنس میں کوسفتے لے جاتے ہیں اور وہاں بھی کوروسوں میں کھانا کھاتے ہیں۔

تشنگی: اس کا سیدھا سادا مطلب ہے کہ تاپ اور پیاز ہماری طبیعت کے موافق نہیں . . . . آپ ذرا DIALECTICALLY بات کیجئے۔

پروفیسر: (برہم ہوکر) پھانسی پر لٹکانے کے لئے بہترین آدمی ایک کیمونسٹ ہے سب جانتے ہیں اور سب کے ساتھ وہ بھی جانتا ہے کہ فلاں طریقہ غلط ہے۔ لیکن اس نے سب باتوں کے لئے ایسا جواز پیدا کر رکھا ہے کہ آپ اُسے بحث میں کسی طرح قائل نہیں کر سکتے۔

(شور)

امرت: خُوب! . . . . تو پھر اس بحث کو جانے دیجئے۔

صفدر: ارے بلانوش بے ہوش ہونے والا ہے زندگی کو بلاؤ۔

تشنگی، صفدر، امرت: زندگی ــــــ زندگی ــــــ خاتون زندگی!

(دوسری طرف)

زندگی: یہ لیجئے۔ وہ زندگی کے لئے پکار رہے ہیں اور یہ "موت" آگئی۔

موت: ا. . . . و. . . ف! میں کتنی تھک گئی ہوں "زندگی!" (ہنستی ہے) مارنا، بگاڑنا، بنانے اور سنوارنے سے کہیں آسان ہوتا ہے بلکہ بنانے میں تخلیق کی جو خوشی ہوتی ہے۔ وہ

اس کا بدل آپ ہوتی ہے۔ دیگا رنے کی آسانی کس قدر بوجھل ہوتی ہے کہ اس کے بعد نہیں
توڑ ڈالنے کا افسوس ہوتا ہے ـــــ کیوں «زندگی»؟ (بدستور ہنستے ہوئے) آج کے
کیبرے نے جسم میں جان نہیں چھوڑی بچھے بالکل اکٹھے گئے ہیں۔
(بلانوش کے رونے کی آواز آتی ہے)

زندگی: منیجر! ـــ وہ طالب علم رونے لگا ہے شاید وہ زیادہ پی گیا ہے (کچھ سوچ کر) کیا اس
کے لئے کوئی بھی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا منیجر؟ ـــ اس نئی پود کے لئے جس نے
اس ملک کے بچوں کے باپ بننا ہے اور جس سے اس ملک کی تمام امیدیں وابستہ ہیں۔
کیا انہیں یوں تباہ کر دینے والی زندگی سے کوئی نہیں روکتا؟

موت: اوہ! تم ان چھوکروں کی قسمت پر آنسو بہا رہی ہو؟ . . . . میرے خیال میں یہ سب
بالغ ہیں ـــ اپنی رائے دینے کا حق رکھتے ہیں۔ انہیں ہر طرح کی شخصی آزادی ہے۔
انہیں اپنا نفع اور نقصان خود سمجھنا چاہیئے۔

منیجر: میں خاتون «موت» سے متفق ہوں! (مسکراتا ہے)

زندگی: (رک کر) اس لئے کہ یہ چیز آپ دونوں کے لئے مفید ہے۔ لیکن میں کہتی ہوں منیجر
ایسی آزادی نوجوانوں کو ہمارے مغربی ملکوں میں بھی نہیں ملتی۔ انہیں زبردستی کھلی ہوا
میں رکھا جاتا ہے۔ ان کی ورزش، خوراک اور صحت کے لئے حکومت ذمہ دار ہے۔
آخر انہیں لوگوں کو اس ملک کی نسل بڑھانی ہے۔

منیجر: آپ کیسے کہتی ہیں ان لوگوں کے لئے کوئی پابندی نہیں؟ ان کی نقل و حرکت پر بھی قید ہے۔
مثلاً یونیورسٹی پراکٹوریل! . . . . لیکن اس کے باوجود یہ کسی نہ کسی طرح سینما گھروں،
ہوٹلوں اور بازاری اڈوں میں پہنچ جاتے ہیں اور وہاں کی رونق بڑھاتے رہتے ہیں۔

زندگی: تم کیوں نہیں تعلیمی اداروں سے تعاون کرتے؟ کیوں نہیں کالجوں سکولوں میں اطلاع
دے دیتے؟

موت : (قہقہہ لگاکر) "زندگی" بڑی خوش فہم خاتون ہیں۔ اس کام کے لئے ہم لوگوں کو فرصت ہی کہاں ہے ؟

مینجر : ہم اتنے نیک ہو کہ اپنے کاروبار کو تباہ کرنا نہیں چاہتے۔ خاتون "زندگی!" پھر جیسے "موت" فرماچکی ہیں ان لڑکوں کو خود اپنا نفع نقصان سوچنا چاہیئے۔

زندگی : مینجر! تم بڑے ٹھنڈے انسان نظر آتے ہو۔ تم جوانی کی خودسری کو نہیں جانتے۔ معلوم ہوتا ہے تمہاری جوانی کڑے ماں باپ کی آنکھوں تلے گزری ہے ——

مینجر : تعجب ہے! آپ نے بالکل درست فرمایا۔

زندگی : خاتون موت ان باتوں کا اندازہ نہیں کرسکتیں کہ وہ خود نوجوان ہیں۔

موت : خوب! میری کم نظری کے متعلق بھی آپ نے ٹھیک کہا (ہنستی ہے)

زندگی : "موت" زندگی کی سب باتوں پہ ہنس سکتی ہے۔ زندگی جس کے چہرے کی لکیریں غازے نے چھپا رکھی ہیں۔ جس کا پیٹ یوں ہے، جیسے کسی خشمگیں بلی نے پنجوں سے زمین پر لاتعداد نشان بنا دیئے ہوں اور جیسے اس نے خوبصورت کپڑوں میں لپیٹ رکھا ہو...... جوانی کی ہٹ میں میں نے جسم پہ ناپاک حملے کئے جسم جو پاک اور مقدس ہے!...... تین بار اسقاط کے بعد مجھے پتہ چلا جسم ایک ایسی چیز ہے جس کی حفاظت، پرستش کرنی چاہیئے۔ یہ ایک ایسی شے ہے جسے بگاڑنے کا میرا کوئی حق نہیں۔ یہ جسم میرا اپنا نہیں ہے۔ یہ میری اولاد اور اس کے بعد میری اولاد کی اولاد کا ہے۔ یہ ملک اور قوم کی امانت ہے (اداس خاطر ہو کر)..... لیکن اس خیانت اس غداری کے بعد میں تجربے کے بوجھ سے جھک چکی تھی۔

(طالب علم زیادہ شور مچاتے لگتے ہیں اور بار بار زندگی کا نام لیتے ہیں)

مینجر : خاتون "زندگی" ! لڑکے آپ کو بلا رہے ہیں آپ ان کا ساتھ دیجئے (کچھ سوچ کر) دیکھئے! آپ ان پر رحم اور کرم کی بارش نہ فرمایئے گا۔ آپ وہ کام کیجئے گا جس کے لئے آپکو ادا کیا جاتا ہے۔

زندگی: (کھوئے کھوئے سے انداز میں) میں نہیں جانتی۔ وہ مجھے بلا رہے ہیں یا صرف زندگی کے لئے تڑپ رہے ہیں!

موت: جو کچھ بھی ہو۔ آپ ان کے پاس جائیں تو......

منیجر: ہاں! میں پھر یاد دلاتا ہوں، آپ ان سے وہی بات کیجئے جس کی اشد ضرورت ہے۔ ورنہ مجھے خاتون "موت" کو بھیجنا ہوگا۔

موت: لیکن منیجر! آج ہم نے پورٹ شراب کے چار آنے بڑھا دیئے ہیں۔ تم فقط رنگدار پانی دے دینا۔ بارہ آنے تم رکھو گے اور آٹھ آنے ہم۔ دیکھئے صاف پانی نہ دکھائی دے اگر خاتون کو ان کے پاس بیٹھنے کا موقع ملا تو آٹھ دس پیگ بلا ہی دیں گے۔

زندگی: (بیزاری سے) لیکن کیا بار بند نہیں ہوا؟

موت: نہیں، بار بند نہیں ہوا۔

منیجر: (خفیف غصے سے) نہیں محترمہ! ان لوگوں کے لئے بار کھلا ہے۔

زندگی: (طالب علموں کی طرف جاتے ہوئے) میں ان کا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ لیکن جب تک وہ مجھے بلائیں گے نہیں میں ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔

(بلا نوش سسکیاں لے رہا ہے)

شنکر: ہونہہ! کس قدر بے ہودہ انسان ہے۔ بچوں کی طرح بے تحاشا رو رہا ہے (قدرے اونچی آواز میں) بلا نوش! رونا بند کرو۔ ہم تمہاری یہ احمقانہ حرکت، برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر رونا نہیں بند کر سکتے تو باہر چلے جاؤ۔

صفدر: شنکر اتنی سختی مناسب نہیں ہے۔ اگر تم نے اس کا ہنسنا پسند کیا ہے تو اس کے رونے کو بھی تمہیں برداشت کرنا ہوگا وہ ہر لحاظ سے تمہارا ساتھی ہے۔

شنکر: میں کسی کو جذبات میں بہتے ہوئے دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

پروفیسر ٹھاکر: ایک اور بات جس سے کمیونسٹوں کو نفرت ہے۔ یہ بات، گویا یہ ا

محسوسات کا حصہ ہی نہیں ہیں۔

صفدر: وہ ہر طرح سے تمہارا ساتھی ہے۔ تم اپنی مرضی سے زندگی میں اس طرح کا انتخاب نہیں کر سکتے۔ تمہیں کیا حق ہے کہ جس کو چاہو قبول کر لو۔ اور جس کو چاہو ردّ کر دو۔ تمہیں زندگی کو بحیثیت مجموعی قبول کرنا پڑے گا۔ ہنسنے کے ساتھ رونا، پاکیزگی کے ساتھ غلاظت زندگی کے ساتھ موت، ورنہ زندگی تمہیں ردّ کر دے گی۔

پروفیسر ٹھاکر: مجھے پینے والوں کی برادری ہی سے نفرت ہے یہ خود پیتے ہیں۔ لیکن پیتے ہوئے انسان کو کس قدر نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

شنکر: وہ اس بات کی توقع رکھتے ہیں کہ سب کام ہوش اور حواس میں کئے جائیں پینے پر کسی کو اعتراض نہیں۔ البتہ پی کر بدر رَو میں لڑھکنے والے سے ضرور نفرت ہے۔

امرت: کیوں نفرت کیوں ہے؟ میں نہیں سمجھتا کہ پیتے ہوئے آدمی پیمائش کا خیال رکھے ــــ انسان کا اندازہ غلط ہو سکتا ہے۔

صفدر: اس تنفر کا حق کسی کو نہیں پہنچتا۔ اپنے اُبکائیاں لیتے ہوتے بھائی کو ردّ کرنا سراسر ناجائز ہے۔

پروفیسر ٹھاکر: یہ بالکل SNOBB ISH ہے!

بلانوش: نہیں نہیں مجھے چھوڑ دو میں تم سب لوگوں کو ردّ کرتا ہوں۔ وہ جو مجھ سے نفرت کرتے ہیں اُن کو بھی اور جو ہمدردی جتاتے ہیں اُن کو بھی (گلاس و نچا کرتے ہوئے) آہ! شراب کس قدر اچھی چیز ہے جو مجھ ایسے انسان کے احساسات کو تیکھا کر دیتی ہے! اور میں محسوس کرنے لگتا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی کو مکمل طور پر تباہ کر لیا ہے (رُک کر) میں نے اسی شہر کے ایک کالج سے پہلے ایک ایم اے کیا پھر دوسرا ایم۔ اے اور اپنے چچا کی مدد سے ایک مذہبی یونیورسٹی میں لیکچرار کی آسامی پر مامور ہو گیا۔ . . . .

پروفیسر ٹھاکر: اوہ بلانوش! ــــ تم پروفیسر بھی رہے ہو؟

بلا نوش: (سر اٹھاتے ہوئے) ہاں شنکر! میں بھی تمہاری طرح ایک مذہبی یونیورسٹی میں لڑکوں کو پڑھاتا رہا ہوں۔ لیکن اس وقت میرے دماغ میں جوانی کا جوش تھا۔ میں اس وقت "بائیں" خیالات سے بہت متاثر تھا۔ چنانچہ میں نے لڑکوں وہ پڑھایا جسے میں سچ سمجھتا تھا۔ میں نے کہا۔ وہ سب کچھ غلط ہے جو اس مذہبی درسگاہ کے لوگ کہتے ہیں۔ میں نے بغاوت کی اور بے دریغ کی۔ لڑکوں نے یہ چیزیں کبھی نہیں سنی تھیں۔ یونیورسٹی کے ناخداؤں نے ایسے پڑھانے والے کبھی نہیں دیکھے تھے اور اُن کے اعتراض کرنے پر میں نے نوکری کو لات مار دی۔۔۔۔۔

شنکر: اور تمہیں اپنے کئے پر افسوس ہے؟

بلا نوش: نہیں شنکر! مجھے اس بات کا افسوس نہیں کہ میں نے اس دار التعلیم کے آستانے پر سر نہیں جھکائے رکھا۔ البتہ مجھے اس بات کا دکھ ضرور ہے کہ وہ عقیدے جن کی غرض سے میں نے اس ملازمت کو ترک کیا، انہیں عملی طور پر نبھا نہ سکا اس کے بعد مجھے نائب تحصیلدار کی آسامی پیش کی گئی۔ لیکن میں نے اُسے رد کر دیا (پتھرائی نظروں سے خلا میں دیکھتے ہوئے)۔۔۔۔۔۔ آہ! ایک مقصد کی خاطر ان چیزوں کو رد کرنا میری روح کو کس قدر بلند کئے دیتا تھا!

امرت: (بلا نوش کے اور قریب ہو جاتا ہے) پھر کیا ہوا بلا نوش؟

بلا نوش: میں نے پارٹی کے لئے کام کیا۔ لیکن ہمیشہ گرفت سے بچ کر۔ میری ایک ماما ہے۔ ماں! جس کی امیدوں کا میں مرکز تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میں گرفتار ہو کر اُسے اس حد تک مایوس کر دوں کہ وہ، وہ۔۔۔۔۔ لیکن شاید میں نے اُسے اپنی بے عملی کا ایک بہانہ بنا لیا تھا۔ میرے عملی کام کے بعد اگر وہ مر بھی جاتی تو میری روح کو بیک وقت دکھ اور سکون ہوتا، لیکن تم جانتے ہو، ہمارے ملک میں سیاست ایک کھیل ہے جسے صرف امیر لوگ ہی کھیل سکتے ہیں مجھے اپنی کوششیں ایک مچھر کی اڑان نظر آئیں۔۔۔۔۔

ششنکر: اور تم نے پارٹی میں کام کرنا چھوڑ دیا؟

بلانوش: میں کبھی کبھی اُن کے سٹڈی سرکل میں جایا کرتا اور میں نے ارادہ کیا کہ کتابیں لکھنے اور ترجمہ کرنے کا کام شروع کروں لیکن عملی طور پر سیاسی کام اور اس کام میں انتخاب کے متعلق ہمیشہ میرے ذہن میں کشمکش رہی۔ میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو ایک دوراہے پر محسوس کیا۔ پھر اسی دماغی اُلجھن میں میں سب کچھ بھول گیا۔ میں اُن عقیدوں کو بھول گیا۔ اپنے آپ کو بھول گیا۔ میں کوئی کام بھی جی لگا کر نہ کر سکا۔ میں نے گھبرا کر جب انہیں چیزوں کو پکڑنے کی کوشش کی جنہیں میں رد کر چکا تھا تو مجھے پتہ چلا کہ وہ میری گرفت سے نکل چکی تھیں ـــــ ان چیزوں نے مجھے رد کر دیا تھا! . . . . چند مالی مشکلات میں مبتلا ہو کر اب میں ایک کلرک ہو گیا ہوں اور بس! اور جب میرے حاکم بے ہودہ باتیں کرتے ہیں تو میں جی میں کہتا ہوں کس قدر لغو ہے۔ دماغی طور پر یہ لوگ مفلوج ہیں لیکن . . . وہ اپنی بات منولتے ہیں اور مجھے ان اپاہجوں کے سامنے سر جھکانا ہوتا ہے آہ! وہ شخص جسے اپنے آدرش کا راستہ نہ مل سکے، اس شخص سے کہیں ذلیل زندگی گزارتا ہے جس کا کوئی آدرش ہی نہ ہو (بلانوش پھر رونا شروع کر دیتا ہے)

صفدر: مت روؤ، بلانوش! مت روؤ۔ تمہارا ابھی دن آئے گا!

بلانوش: (روتے ہوئے) اب میں کس قدر فرار ڈھونڈتا ہوں۔ میں اچھے سے اچھے سگریٹ تلاش کرتا ہوں اور انہیں اپنے فرصت کے لمحوں کا ساتھی بناتا ہوں۔ سگریٹ بھی ایک منحوس چیز ہے، میری طرح اور پھر دھوئیں اور راکھ میں تبدیل ہونا شروع ہوتی ہے! پھر میں عورت کی آغوش ڈھونڈتا ہوں، شراب پیتا ہوں۔ ایک بڑی بیماری چھوٹی بیماری کو کچل دیتی ہے لیکن بڑی بیماری . . . . . ؟

صفدر: صبر کرو، بلانوش . . . . . اس میں مجھے اپنی دکھ بھری کہانی نظر آتی ہے۔

بلانوش: کرنے کے لئے کوئی بھی کام حقیر نہیں، عمل کے لئے کبھی دیر نہیں ـــــ میں اس بات

کو جانتا ہوں لیکن کر نہیں سکتا۔ مجھ میں عمل کی قوت نہیں رہی۔ اور اب میری یہ حالت ہے!

(رونے لگتا ہے)

صفدر: مجھے اپنے انجام سے ہمیشہ خوف آتا رہا ہے۔ ایک فن کار سے زیادہ اچھی زندگی کسی کی نہیں۔ وہ عوام پر حکومت کرتا ہے، انہیں احمق کہہ کر اُن ہی سے داد وصول کرتا ہے۔ لیکن فن کار کی زندگی سے زیادہ ذلیل زندگی نہیں جب کہ وہ اپنے عروج سے گزر جاتا ہے۔ جب وہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز نہیں رہتا۔

بلانوش: لیکن تم عمل سے غافل بھی ہو گئے؟

صفدر: آہ! تمہیں کیا معلوم بلانوش! اگر میں عامل ہوتا تو میں آج یہاں موجود نہ ہوتا۔ میری صحیح جگہ میرا ڈیسک ہے۔ جب میں نے ادب میں حصہ لینا شروع کیا تو میں سمجھتا تھا میں پیغمبر ہوں۔ کوئی برتر طاقتوں کا پیغام لے آیا ہوں۔ شروع شروع میں میں ڈاک کے محکمے میں منشی کا کام کیا کرتا تھا۔ ٹکٹیں اور لفافے بیچا کرتا۔ لیکن ٹکٹیں اور لفافے بیچتے ہوئے بھی جب کوئی خیال آتا تو میں اسے لکھ لیتا۔ کئی بار یہ ہوا کہ میں نے ٹکٹیں زیادہ دے دیں اور شام کو خسارہ برداشت کیا۔ لیکن میں عامل ضرور تھا۔ اُس وقت کام کرتا تھا۔ آدھی رات کو بھی لکھنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوتا۔

شنکر: لیکن اب کیا ہوا صفدر؟

صفدر: میں نے وہ "حقیر ملازمت" چھوڑ دی۔ تاکہ اپنا مقصد حل کر سکوں چند دنوں کے لئے بیوی بچے بھوکے مرے اور میں گھبرا گیا۔ مجھے دن رات محنت کرنی چاہیئے تھی۔ لیکن میں نے نہ کی۔ میں نے کم سے کم مزاحمت کا راستہ اختیار کر لیا۔ میں بازاروں میں گھومنے لگا ایک مبہم سے احساس کے ساتھ...... کہ کچھ ہونے والا ہے! مجھے یقین سا آتا تھا۔ ہم بھوکوں مرنے لگے۔ میں گھومتا رہا، گھومتا رہا۔ گویا آسمان سے میرے لئے من وسلویٰ اُتر آئے گا۔ جب آسمان سے کچھ نہ اُترا تو میں ایک دوست کے ہاں مہمان ہو گیا۔ اِدھر اُدھر

سے چند پیسے بنا کہ میں بیوی بچوں کو بھیج دیتا، اور خود اس دوست پر بوجھ بنا رہا، وہ میاں بیوی میری خاطر داری کرتے اور شام کو آپس میں جھگڑتے۔ میرا دوست اپنی بیوی کو مارا کرتا اور میں سمجھتا شاید اُن کا کوئی نجی تنازعہ ہے۔ لیکن ایک دن خیال آیا کہ مجھے یہاں سے چلا جانا چاہیئے۔ میرے دوست کی بیوی نے جو آلو اپنے خاوند کو دیئے وہ زیادہ مرغن تھے میں چلا گیا اور وہ میاں بیوی ہنسی خوشی رہنے لگے۔ ۔ ۔ ۔

امرت: اور پھر تم گراموفون کمپنی میں کیسے آ گئے ؟

صفدر: اسی طرح کام سے جی چراتا ہوا میں اتفاقاً گراموفون کمپنی کے منیجر کو مل گیا۔ اُس نے میری پہلی تنخواہ سے تین گنا زیادہ پیسے پیش کئے۔ میں نے بظاہر بے اعتنائی کا اظہار کیا۔ لیکن میں اپنے دل کی کیفیت جانتا تھا۔ میں اس کے ہاں نوکر ہو گیا۔ معاہدہ تھا کہ وہ مجھ سے چھوٹے چھوٹے ڈرامے لکھوائے گا اور انہیں ریکارڈ کرے گا لیکن وہ مجھ سے "رائٹ اپ" اور اشتہار کے سوا اور کچھ نہیں لکھواتا وہ میری قیمت نہیں سمجھتا۔ بارہا مجھے وہ شعر یاد آتا ہے ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا

ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی تھا

ان چند کلیوں نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ میں اگر مصیبتوں کا مقابلہ کرتا تو میں وہ ادب پیدا کر سکتا تھا جو ۔ ۔ ۔ ۔

شنکر: لیکن تم اپنے فرصت کے لمحوں میں کام کیوں نہیں کرتے صفدر ؟

صفدر: وہاں اس قسم کا کام کرنے سے دماغ تھک جاتا ہے شنکر! لیکن نہیں اُن کلیوں، اُن ٹکیوں نے مجھے آرام کا قائل بنا دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہر ماہ کی سات تاریخ کو مجھے برابر پیسے مل جائیں گے۔ رات ہوتی ہے تو میں آرام کے لئے لیٹ جاتا ہوں صبح اُٹھوں گا۔ اور کچھ کام کروں گا۔ لیکن رات کو میں بستر کا ادب تخلیق کرتا ہوں اور صبح اُٹھنے کی سکت

نہیں ہوتی چھٹی کے دن کوئی رشتہ دار آجائے تو مجھے ایک آسان سا بہانہ مل جاتا ہے میں خود ہمیشہ بری الذمہ ہوتا ہوں۔ قصوروار دفتر کا مینجر ہوتا ہے، یا میری بیوی اور بچے ۔ ۔ ۔ ۔ یا میرا کمنا بھائی جو دس سال سے میرے ٹکڑوں پہ پل رہا ہے!

بلانوش: ایسے ہی ہوتا ہے صفدر ایسے ہی ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

صفدر: اور میں مینجر سے خوف کھانے لگا ہوں گو یا اس نے میری اس کمزوری کو بھانپ لیا ہے اب وہ بالکل میری پروا نہیں کرتا۔ وہ ہمیشہ اپنے اور ماتحتوں کے درمیان ایک فاصلہ قائم رکھتا ہے وہ کسی کے سامنے نہیں مسکراتا نہ کھانا کھاتا ہے اور نہ کسی خوبصورت لڑکی کی طرف بھول کر نگاہ سے دیکھتا ہے وہ کس قدر کم گو ہے جب کسی ماتحت سے قصور ہو جاتا ہے تو اس وقت اسے کچھ نہیں کہتا وہ اپنا کیس تیار کر لیتا ہے اور پھر اپنے شکار کو بے خبری کے عالم میں جھپٹ لیتا ہے ماتحت بے چارہ تلملانے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا ۔ ۔ ۔ ۔ وہ ڈریوفس کے اعزازی وکیل زولا کے انداز میں کہتا ہے ۔۔۔ J'ACCUSE ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور مجرم اس کینچوے کی طرح تڑپتا ہے جس پر کسی کا پاؤں آجائے اور میں کس قدر ذلیل ہو چکا ہوں مجھے یہ بتاتے ہوئے ندامت نہیں محسوس ہوتی کہ پرسوں ایک کاروباری رائٹ اپ اچھا نہ لکھے جانے پر اس نے مجھے بلایا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ایک دم کہا ———— "تم احمق ہو،" اور مجھ کو کمرے سے باہر نکال دیا اور یہ وہی دن تھا جس دن مجھے آج کی شراب کے لئے پیسے ادا کرنے تھے!

(میز پر گردن جھکا لیتا ہے)

تشنکہ: صفدر، صفدر، دیکھو واقعی احمق نہ بنو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

صفدر: اگر میں نے ایک فل سکیپ ورق بھی ہر روز لکھا ہوتا تو چھ مہینے بھر میں ایک کتاب پیش کر سکتا اور مینجر کو چیلنج کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے نہیں کیا میں اپنی رذالت میں خوش ہوں

میں آرام، صبر اور تشکر کا قائل ہو گیا ہوں اور یہی سب سے بڑی لعنت ہے۔

شنکر : تم نہیں جانتے صفدر! ہم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ میں بھی تم لوگوں کی طرح زندگی سے بھاگ کر آیا ہوں۔ جیسے ٹھاکر نے کہا ہے ہم شراب اور شباب کا جواز پیدا کرتے ہوئے بھی جانتے ہیں کہ قوم میں جاگرت پیدا کرنے والوں کی جگہ شراب خانہ نہیں ہے۔......

پروفیسر ٹھاکر : مدہوشالا نہیں ہے، اچھا ہوا تم بھی سیدھے راہ پر آئے۔

شنکر : لیکن سنو! یہ باتیں صرف اس کمیونسٹ سے متعلق ہیں جسے شنکر کہتے ہیں۔ میں ایک بڑے باپ کا بیٹا ہوں۔ پیسہ وافر ہونے کی وجہ سے زندگی کا ہر آرام، تعلیم، پیار اور پریم کے حاصل ہونے کے باعث مجھ میں کمتری کا کوئی خیال نہ تھا۔ میں نے آسانی سے نوجوانوں کی سربراہی اور لیڈری حاصل کر لی۔

امرت : گویا اب تم لیڈر نہیں ہو!

شنکر : اب میں صرف نام کا لیڈر ہوں۔ لیکن میں عمل سے غافل ہوں۔ میں اب بھی کام کرتا ہوں لیکن جانتا ہوں میرا دل اس میں نہیں ہے۔ شروع کے دو سال میں نے پسماندہ علاقوں اور گاؤں میں جا کر بہت کام کیا۔ مجھے وہ دن یاد ہیں۔ جب میری وجہ سے میرے باپ کی نوکری خطرے میں پڑ گئی تھی۔ وہ چپکے سے میرے کمرے میں آئے انہوں نے مجھ سے کچھ نہ کہا۔ وہ صرف دیکھتے رہے ایکا ایکی انہوں نے اپنی پگڑی اتار کر میرے پاؤں میں رکھ دی اور پھر خاموش ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ میں نے نظریں اوپر اٹھائیں۔ میرا باپ بیس سال اور بوڑھا نظر آ رہا تھا۔ اُن کی گردن جو زندگی میں کسی کے سامنے نہیں جھکی۔ اس دن میرے سامنے جھکی ہوئی تھی۔ مجھے کوئی حق نہ پہنچتا تھا کہ اپنے عقیدوں کی خاطر، اپنے دوسرے بھائی بہنوں کا مستقبل تاریک کر دوں، اپنے ماں باپ کا بڑھاپا خراب کر دوں۔ بس۔ نے ان لوگوں سے اپنے آپ

کو علیحدہ کر لیا اور خود بھاگ گیا، انگلینڈ چلا گیا۔ یہ تو آپ کو عاق کر لیا۔ گویا میرے ماں باپ مجھے نہیں چاہتے، اپنی دولت چاہتے ہیں۔ میری ماں مر گئی وہ ایک دن میرا نام پکارتی ہوئی گھر کی دہلیز تک آئی، گری اور پھر نہ اٹھی۔ میرے عزیز کہتے ہیں، اس کی آنکھیں کھلی تھیں وہ مر چکی تھی۔ لیکن شاید اس کی آنکھیں! وہ پردہ جس پر نقش مرقوم ہوتے ہیں۔ زندہ تھا......!

صفدر: چپ ہو جاؤ شنکر! ...... مجھے حبس سا محسوس ہو رہا ہے (قمیص کے بٹن کھول دیتا ہے)

شنکر: میں نے اس غم کو دیش سیوا میں مدغم کرنے کی کوشش کی۔ میں نے خون پسینہ ایک کر دیا میں کئی بار پکڑا گیا۔ لیکن میرے دل کی شمع روشن رہی۔ میں نے کئی دفعہ جہالت کی چٹان پر سر پھوڑا۔ لیکن میں نے پھر ہمت کی کمر باندھ لی۔ گاؤں کے لوگ سمجھتے ہیں۔ جب سے دنیا بنی ہے ایک راجا ہوتا رہا ہے۔ زمین اس راجا کی ہوتی ہے جس میں ہل چلانے کا معاوضہ وہ لگان، مالیہ کی صورت میں دیتے ہیں۔ درمیان میں یہ لیگ کانگریس کہاں سے آ ٹپکتی ہیں؟ انہیں یقین ہی نہیں آتا کہ یہ زمین اُن کی اپنی ہے وہ ہنس دیتے ہیں۔ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں آخر ایک دن ایسا آیا، میں مایوسی کی کھائی میں گر گیا۔

بلانوش: گویا کوئی خاص واقعہ ہوا؟

شنکر: سنو بلانوش! ایک دن میں نے تین دن سے پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا تھا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ انگارے برس رہے تھے۔ تپش کی وجہ سے کھیت کا تنکا تنکا نظر آ۔ تپ رہے تھے۔ پسینہ کا ایک قطرہ جو میری گردن سے نکلتا تھا۔ اُسے میں پیٹھ پر سے گھٹنوں پر اور گھٹنوں سے ٹخنوں پر ٹپکتے محسوس کر رہا تھا۔ میری حالت بہت بری تھی میں بالغوں کو پڑھا کر اُن میں جاگرت پیدا کر رہا تھا اور وہ اونگھ رہے تھے، سو رہے تھے، خراٹے لے رہے تھے، میں نے انہیں جھنجوڑ کر پڑھانا شروع کیا۔ میں نے دیہاتیوں کو سرکار کے متعلق

کچھ کہا۔ اچانک اُن کے چہروں کا رنگ بدلا۔ وہ سُرخ ہو گئے۔ سرخ! میں نے کہا۔ ابڑھا اور بنا دینے والی، روسی نفرت پیدا ہوئی۔ لیکن ایک اُٹھ کر بولا، اگر سرکار مجھے کہیں سڑک پر جاتی ہوئی مل جاتے تو میں اُسے چوٹی سے پکڑ کر پٹخنی دوں —— وہ سمجھتا تھا سرکار کوئی عورت ہے!! اور اسی دن میں نے بد دل ہو کر گاؤں چھوڑ دیا۔ ٹاپ اور پیاز کھانے کے بعد میں پھر قورمے اور کوفتے، انہی کورسوں میں کھانے لگا۔ شراب اور شباب کے حق میں بھی میں نے دلیلیں تلاش کر لیں۔ اس قدر تاریکی! اتنی جہالت!

..... میں نے کہا اُن لوگوں کا کیا ہوا۔ جنہوں نے اپنی زندگی، دوبارہ نہ ملنے والی زندگی، ان لوگوں پر قربان کر دی؟ پھر میں نے کہنا شروع کیا، ہمارے ملک میں چھ ماہ اس قدر ذلیل موسم ہوتا ہے۔ اس قدر گرمی پڑتی ہے کہ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ روس؟ روس میں سخت سردی کے باوجود لوگ کپڑے پہن کر گھوم سکتے ہیں۔ لاڈ کا اور کیوس پی کر اپنے آپ کو گرم رکھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ ایک بہانہ تھا کام نہ کرنے کا، سردی اتنی ہی منجمد کر دیتی ہے۔ جتنا گرمی خون پانی کر دیتی ہے۔ میں نے عمل سے منہ موڑ لیا، اور آج .....

صفدر: بس..... بس —— شکریہ! اس سے زیادہ برداشت نہیں ہوتا۔ ہم سب کو درحقیقت عامل ہونے کی ضرورت ہے۔ ہمیں زندگی سے ٹکر لینی چاہیے۔

بلانوش: ہمیں اپنے ماحول سے جنگ کرنی چاہیے۔

پروفیسر ٹھاکر: ہمیں بھارت کی پرانی روایتوں کو زندہ کرنا چاہیے ہمیں پران، وید پڑھنے چاہئیں وہی ہمیں عمل کی راہ بتا سکتے ہیں اس بدیشی روش نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔

امرت: ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔ حرکت میں برکت ہے صفدر! تم اپنے آنسو پونچھ ڈالو۔

بلانوش: (استغراق سے اُٹھتے ہوئے) صفدر آرٹسٹ ہے! وہ سب کے لئے گڑھتا ہے۔ روتا ہے اُسے رو لینے دو۔ اُسے ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے دو۔ اس کے یہ آنسو مبارک ہیں۔ شاید ان کے بعد ہم عملی انسان بن جائیں!

صفدر: آہ! بلانوش! ایسے آنسو ہم اس سے پہلے بھی بہا چکے ہیں۔

شنکر: خاموش صفدر! صبر! ہم ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ لیکن تم ایک بان ہو GENRE! زمانے کی روح! تم ایک آئینہ ہو جس میں ہمارا سماج اپنا منہ دیکھ سکتا ہے۔ جانے دو، جانے بھی دو، دوست! اگرچہ ہم نے ایسے آنسو کئی بار بہائے ہیں۔ لیکن ان آنسوؤں کے بعد ہم ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے!

امرت: آج سے ہم ایک نیا راستہ اختیار کریں گے۔

پروفیسر ٹھاکر: آج سے، ورتمان سے ہم کچھ بھی نہیں لے سکتے۔ بہاتے ہوئے آنسوؤں کا کدو دھ ساتھ نہ ہوگا تو یہ آنسو بھی اکارتھ جائیں گے۔

بلانوش: آج ہم نئی کروٹ لیں گے۔ ہمارے اُفق پر ایک نیا ستارہ نمودار ہوگا۔ وہ "زندگی" آرہی ہے (وقفہ ــــ سب ایک انہماک کے ساتھ اُدھر دیکھنے لگتے ہیں)

پروفیسر ٹھاکر: وہ ایک لجاتی ہوئی سندری کی طرح پیچھے دیکھ رہی ہے۔

شنکر: (گھبرا کر) ارے! اگر اس نے آگے نہ دیکھا تو وہ گر پڑے گی۔ اس کی راہ میں بیسیوں رکاوٹیں ہیں۔ تختے، میوزک سٹینڈ، خوبصورت مرد! .....

صفدر: ہاں شنکر! وہ گر پڑے گی۔ اگر روشنی پیچھے کی طرف سے آتی تو سایہ ہمارے آگے بڑھتا ہے اور روشنی جتنی پیچھے ہو سایہ اتنا ہی لمبا ہوتا ہے.....

بلانوش: روشنی سر پہ ہونی چاہیئے!

شنکر: اپنے پاؤں کا سانپ نہیں دکھائی دے گا۔ روشنی آگے ہونی چاہیئے۔

پروفیسر ٹھاکر: میں سمجھتا ہوں تمہارا کیا مطلب ہے؟ لیکن میں کہتا ہوں روشنی آگے ہو تو پیچھے اپنا ہی سایہ بھوت بن کر ڈرانے لگتا ہے۔

صفدر: "زندگی" ہم تک آتے ہوتے گھبرا رہی ہے۔ اپنا بدن چرا رہی ہے؟

پروفیسر ٹھاکر: جیسے اپنے ہونے کی کشما چاہتی ہے۔

بلانوش : لیکن اس کا زرق برق لباس !......

صفدر : وہ اپنے آپ کو چھپا نہیں سکتی، اگرچہ اس میں اتنی تیزی اور طراری نہیں جو کیبرے ناچ کے وقت تھی۔ شاید اس لئے کہ اُس وقت وہ زندگی کی فن کارانہ شکل تھی اور اب.....

(زندگی قریب آجاتی ہے وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا لبادہ تھامے ہوتے ہے)

زندگی، کیا میں آپ لوگوں کے پاس بیٹھ سکتی ہوں ؟

بلانوش : (اُٹھ کر، جھکتے ہوئے) وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے !

صفدر : ہم زندگی کے ہی منتظر تھے۔ ہمارے اعصاب بالکل مردہ ہو چکے تھے (اپنی کرسی خالی کر دیتا ہے) آیئے، آپ میرے قریب بیٹھئے۔

امرت : آپ کچھ کھوئی کھوئی معلوم ہوتی ہیں.....

زندگی : (گھبرا کر) نہیں۔ میں کھوئی ہوئی نہیں۔ لیکن یہ جگہ جہاں آپ بیٹھے ہیں، مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔ بس اس سرد منجمد کمرے میں نہیں آنا چاہتی تھی۔ لیکن میرے خدا نے زبردستی مجھے اِدھر دھکیل دیا ہے۔ اُسے یہ کھیل بے حد مرغوب ہے!

صفدر : ہاں، یہ کمرہ اسی قسم کا ہے لیکن (وقفہ) وہ کیبرے ناچ کس قدر خوبصورت تھا! زندگی کے آتے ہی تاریکی دُور ہو گئی تھی۔ سارا ہال جگمگا اُٹھا۔ جیسے اس دنیا میں ہُو کا عالم ہوگا۔ زندگی آئی، اُس نے حرکت کی، تو ساری دُنیا منور ہو گئی۔ نغمے گونج اُٹھے۔ نُور و نغمے سے ہی دُنیا کی بنیاد ہے۔

بلانوش : زندگی کا بار بار پہلو بچانا اور موت کے چنگل میں نہ آنا، خوب تھا!

پروفیسر ٹھاکر : اُس ستون کے پاس جب زندگی جُھکی تو میں نے سمجھا موت نے آ ہی لیا ہے لیکن کس طرح ایک جست کے ساتھ زندگی موت کے بند ہوتے ہوئے بازوؤں سے نکل گئی.....

زندگی : ہاں۔ لیکن اُس ڈرامے کا انجام آپ لوگ بھول گئے ہیں۔ آپ آنکھیں جھپک رہے ہیں۔ جیسے ابھی تک یقین نہیں آتا کہ آخر موت۔ نے زندگی کو دبا لیا تھا۔ (زہر خندے ——

کتنا دلچسپ دھوکا ہے کہ آپ اسے محض ایک کیبرے سے ناچ محض ایک کھیل سمجھ رہے ہیں!

شنکر : اگر اس کے بعد "زندگی" ہماری رفیق نہ ہوتی تو شاید ہم اسے ایک کھیل سے زیادہ سمجھتے۔ لیکن ہر روز سینکڑوں انسان مرتے ہیں اور اُن کی جگہ نئے پیدا ہوتے ہیں — اور زندہ لوگوں کے رفیق ہوجاتے ہیں!

صفدر : اور پھر کوئی دھن، کوئی لگن ——— ع

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق!

بلا نوش : آپ کیا پئیں گی؟

زندگی : نہیں میں سب کچھ پی چکی ہوں...... میں اب کچھ نہیں پینا چاہتی۔ اور پھر بار بند ہوچکا ہے۔

بلا نوش : بار ہمارے لئے کھلا ہے۔ چوبیس گھنٹے کھلا ہے (آواز دیتے ہوئے) بیرہ!

زندگی : نہیں، میں کہتی ہوں، مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اس بادہ خوری کی مشق اتنی بڑھ چکی ہے کہ پی کر نشہ اُتر جاتا ہے......

شنکر : آپ جانتی ہیں ہم ہندوستانی بڑے مہمان نواز ہیں، اتنی مدت سے ہم نے آپ کی میزبانی کا فخر حاصل کر رکھا ہے تو آج......

بلا نوش : ایک ایک پیگ ہوجائے۔ خاتون "زندگی" کی صحت کا جام! اے بیرہ!

بیرہ : حضور۔

صفدر : کدھر مرگئے تھے اُلّو؟

بلا نوش : پانچ وسکی ——— اور ایک پورٹ!

زندگی : ہندوستانی بڑے مہمان نواز ہیں لیکن اتنی لمبی میزبانی سے تو مہمان بھی اُکتا جاتا ہے ایک بات اور، میں امریکن ہوں!

شنکر : خوب! آپ امریکن ہیں! ——— اور خاتون موت؟

زندگی: اس کیفے کا مینجر اور خاتون "موت!" دونوں برطانوی ہیں۔

صفدر: آج آپ پہلے کی طرح خوش نظر نہیں آرہی ہیں۔ گویا ابھی آپ کی کسی کے ساتھ جھڑپ ہوئی ہے۔ مینجر سے تو آپ کے تعلقات خوشگوار ہیں نا؟

پروفیسر ٹھاکر: بات یہ ہے —— آج شاید بڑکوں سے زیادہ دھیان نہیں دیا۔

زندگی: بلکہ یوں کہئے کہ ضرورت سے زیادہ توجہ فرمائی ہے" زندگی کس کے لئے کون واویلا کر رہا تھا؟

امرت: (کھسیانہ ہوکر) ہم ہی لوگ تھے۔ بات یہ ہے محترمہ! ہمارے ملک میں جنسی بھوک بہت زیادہ ہے!

زندگی: (روکھی سی ہنسی کے ساتھ) جنسی بھوک!...... جنسی بھوک! میں جہاں سنتی ہوں جنسی بھوک کے ہی قصے سنتی ہوں۔ یہی داستان پڑھتی ہوں!! یہ بیسویں صدی کے سب سے زیادہ دہرائے گئے الفاظ ہیں......

شگفتہ: ان کے دہرانے میں کیا ہرج ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں عورتیں مردوں کی نسبت کم ہیں اور پھر یہاں کے رسم و رواج ان کے میل جول کے خلاف ہیں۔

زندگی: کیا ان الفاظ کا اس بہتات سے استعمال ہونا دلیل نہیں ہے کہ اسے اسی وقت ترک کر دیا جائے۔ اگر آپ اسے استعمال کئے بغیر نہیں رہ سکتے تو خدارا اس کے لئے کوئی اور ہم معنی الفاظ تلاش کر لیجئے! اس کے استعمال سے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے کوئی پتھر پہ لوہا رگڑ رہا ہے!

پروفیسر ٹھاکر: آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں!

امرت: مجھے خاتون زندگی سے اتفاق نہیں ہے۔ ہم کھانے کا لفظ دن میں بیس مرتبہ استعمال کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس لفظ کو چھوڑ دیا جائے"

زندگی: غلط ہے ہم اس وقت نہیں تو اس کے کچھ دیر بعد کچھ نہ کچھ کھا لیتے ہیں اور اس کی رٹ نہیں لگاتے اور آپ کا کیا خیال ہے۔ امریکہ اور برطانیہ اور دوسرے مغربی ملکوں کے

مرد، عورت کے معاملے میں کم بھو کے واقع ہوئے ہیں؟ وہ بھی ایسے ہی بھوکوں کی طرح عورت کا پیچھا کرتے ہیں۔ وہاں بھی عورت کو آزادی نہیں۔ وہاں بھی اس پر ایسے ہی جبر کیا جاتا ہے۔۔۔۔

شنکر: معاف کیجیے۔ ہم آپ کا مطلب نہیں پاسکے۔

زندگی، مطلب ظاہر ہے دراصل آپ کی جنس کا مقام سر ہے اور وہ جگہ نہیں جہاں اسے ہونا چاہیے!

(سب اُچھل پڑتے ہیں!)

بلانوش: خاتون "زندگی" کی بات قابلِ غور ہے۔

صفدر: آپ درست فرماتی ہیں۔ اللہ قسم! ایک افسانے کا موضوع ہے۔

شنکر: خاموش! بات سننے دو۔ ساری دنیا سمٹ کر ایک افسانے تک محدود ہو گئی ہے کتنا ذلیل رویہ ہے۔ ہر ایک چیز سے افسانہ ڈھونڈنے کی کوشش کرنا اور زندگی' ہزار رنگ زندگی سے لُطف نہ اُٹھانا۔۔۔۔۔

صفدر: گویا خاتون کی چوٹ کا بدلہ مجھ سے لیا جا رہا ہے۔ میں اس پر بحث کر سکتا ہوں۔

پروفیسر مٹھاکر: شنکر کے ساتھ بحث کر سکتے ہو؟

زندگی: تم سب کتابی باتیں کرتے ہو۔ سب بیکار ہو۔ ہوٹلوں میں بیٹھ کر شراب اور کافی پیتے ہو، اور جنس کے متعلق باتیں کرتے ہو۔ تم بالکل بے عمل ہو۔ بالکل بے عمل بیدار ملکوں میں ہوش سنبھالتے ہی ایک نوجوان کو آٹھ دس گھنٹے کے لئے ایک ورکشاپ میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ وہاں وہ تیس بتیس تو ڑے گولیوں کے بناتا ہے مشینوں کے لئے درجنوں ایکسل تیار کرتا ہے اور بوائلر کی حرارت میں کھڑا پگھلتا رہتا ہے۔ جب وہ باہر آتا ہے تو اُسے صرف ایک ہی بھوک ہوتی ہے پیٹ کی بھوک! دنیا میں اور پھر ہندوستان میں؛ ایک ہی بھوک مقدم ہے اور وہ ہے پیٹ کی بھُوک۔ دوسری بھُوک، پیٹ کی بھُوک کے بعد بیکار آدمی کا مشغلہ ہے!

شنکر: ہمیں "زندگی" کی سب باتوں سے اتفاق نہیں ہے، لیکن۔۔۔۔۔۔

صفدر: لیکن ہم ان کی باتوں سے عمل کا سبق ضرور حاصل کر سکتے ہیں۔

زندگی: تم ابھی بالکل نوعمر ہو۔ شراب نے جیسے میرے پھیپھڑوں کو چھلنی کر دیا ہے ایسے ہی تمہارے دل اور دماغ کو بھی ناکارہ بنا دے گی! تمہاری کمزور اولادیں تمہارے سامنے آکر تمہاری ہی مصیبت کا باعث ہوں گی۔ جاؤ، کام کرو، کرنے کے لئے کوئی بھی کام حقیر نہیں ہے۔

GO TO THE ANTS SUGGARDO

بلانوش: (اُٹھ کر) میں قسم کھاتا ہوں، آج یہ شراب کا جام میرا آخری جام ہوگا "زندگی" کی صحت کا جام!

تشنکر: زندگی کی صحت کا جام!۔۔۔۔ آخری جام!

امرت: اس شراب کے آخری گھونٹ کو حلق میں اتار لو۔ اور اس بیہودہ نقل کو ختم کر دو۔

صفدر: مجھ میں رُوح عمل حلول کر گئی ہے۔ اس آخری گھونٹ کے بعد میں ایک عملی زندگی بسر کروں گا۔

تشنکر: اور یہ آخری لڑکی ہوگی جس کے ساتھ میں ناچوں گا "زندگی"۔

امرت: یہ آخری ریستوران ہوگا اور آخری کیبرے۔ اس کے بعد ہم عوام میں کام کریں گے۔ ہمارا سایہ بھی کسی گندی پبلک جگہ میں دکھائی نہیں دے گا۔

پروفیسر ٹھاکر: یہ میرا آخری قہقہہ ہوگا!

صفدر: (غصے میں) پروفیسر! ہم مذاق نہیں کر رہے ہیں۔ آج ہمارے لئے صُور پھونکا گیا ہے۔ شاید تمہیں اس کی آواز نہیں آرہی ہے۔ آج ہم سب اپنی اپنی قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے آج یہ ہماری آخری نیند ہوگی!

(شور۔۔۔۔ جس میں لفظ "آخر" علیحدہ سنائی دیتا ہے)

مینجر: آرڈر۔ آرڈر۔۔۔۔ (قریب آتے ہوتے) جنٹلمین میں کہتا ہوں آپ لوگ۔۔۔۔

(باقی کی آواز شور میں گم ہو جاتی ہے)

مینجر: (غصے میں) خاتون زندگی رنگ میں چلی آیئے۔ آرکسٹرا انتظار کر رہا ہے۔

(طالب علموں سے) اور آپ لوگ ہرگز شور نہیں مچا سکتے ہیں۔

بلانوش: ہم شور مچائیں گے، شور ہمارا پیدائشی حق ہے۔ شور زندگی کا ثبوت ہے۔

منیجر: میں کہتا ہوں۔ اگر اس سے زیادہ شور مچایا تو میں نقضِ امن کا اندیشہ گردان کر پولیس کو اطلاع دے دوں گا۔

امرت: پولیس کے لوگ ہمارے اپنے بھائی ہیں۔ وہ ہم پہ ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔

منیجر: آپ اپنے بھائیوں کو نہیں جانتے ہیں۔ وہ قانون اور امن چین کے محافظ ہیں وہ ہز میجسٹی کی گورنمنٹ کے وفادار ملازم ہیں۔

پروفیسر ٹھاکر: آپ ناراض نہ ہوجیے، منیجر صاحب! خاتون "زندگی" تنکر کے ساتھ رِنگ میں جارہی ہیں......

زندگی: میرے ساتھ آپ نے میری روح کو نہیں خرید لیا، منیجر! مجھے رنگ میں جانے سے انکار کی پوری آزادی ہے۔

منیجر: معاف کیجئے آپ کو معاہدے کی رُو سے رنگ میں جانا ہوگا۔ ڈنر اور موسیقی کے بعد آپ اُن لوگوں کے پاس نہیں ٹھہر سکتی ہیں۔

زندگی: اگر میں یہاں سے چلی جاؤں گی تو اس کیفے سے بھی چلی جاؤں گی۔

تنکر: منیجر! کیا آپ نے خاتون "زندگی" کو PERSONA NON-GRATA قرار دیا ہے؟

صفدر: ہا ہا ہا!!!

منیجر: (غصے سے) میرے نزدیک یہ کیفے ایسی سو خواتین سے زیادہ قیمتی ہے۔ اگر آپ کو صرف خاتون کی ضرورت ہے تو میں "زندگی" کی رفیق کار کو بھیج سکتا ہوں۔

تنکر: خاتون "زندگی"! چلئے، چلئے، ہم آج یہ آخری ناچ آپ کے ساتھ ناچیں گے۔

زندگی: میں رنگ میں چلی جاتی ہوں۔ لیکن اس کیفے میں میرا یہ آخری دن ہوگا۔ میں ایسی بے حرمتی برداشت نہیں کر سکتی۔ چلئے!

(چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ناچ دھن۔ چہ میگوئیاں، ہلکے ہلکے قہقہے، اور گلاسوں کے ٹکرانے کی آوازیں آتی ہیں)

بلانوش: "موت" آرہی ہے۔

صفدر: خاتون "زندگی" کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا وہ کچھ بوڑھی دکھائی نہیں دیتی؟

امرت: معلوم ہوتا ہے اس نے اپنے چہرے کی لکیروں کو کریم کے مساج سے درست کر رکھا ہے۔

بلانوش: وہ عمر رسیدہ عورت ہے اور تجربہ کار۔ جب خون جلد کے کناروں تک نہ آئے تو غازہ بھی پھٹ جاتا ہے..... اور منہ پر چھائیاں دکھائی دینے لگتی ہیں۔

پروفیسر ٹھاکر: "زندگی" نے دنیا دیکھی ہے۔

بلانوش: ہاں اس نے زمانے کا سرد و گرم چکھا ہے۔

پروفیسر ٹھاکر: لیکن وہ ایک ہمدرد عورت ہے۔ وہ ہمارے کلچر کو یوں تباہ ہوتے دیکھ کر دکھی ہوتی ہے!

بلانوش: کسی زمانے میں وہ خوبصورت ہوگی۔ لیکن اب.....

امرت: اب تو اس کی شکل سے گھن آتی ہے۔

صفدر: وہ بہت پکے ہوئے پھل کی طرح ہے۔ آپ جانتے ہیں کوئی چیز بہت میٹھی ہو جائے تو آپ اس کا ایک لقمہ بھی نہیں کھا سکتے۔

بلانوش: "خاتون "موت" ابھی کمسن دکھائی دیتی ہے۔

امرت: شگفتہ اور خوبصورت! لیکن وہ "موت" ہے!

پروفیسر: اُس نے اپنا ہُڈ اور اپنے ناخن اتار دیئے ہیں۔ کالے لباس میں اس کا سفید چہرہ خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔

صفدر: "موت" بذاتِ خود کوئی خوف پیدا کرنے والی چیز نہیں۔ البتہ اس کا خیال گھناؤنا ہوتا ہے۔ فلسفیوں کا خیال ہے کہ موت کا خیال موت ہے۔ موت بذاتِ خود زندگی ہے۔

پروفیسر ٹھاکر: شاستروں میں لکھا ہے "مرتیو ایسا دروازہ ہے جس سے گزر کر ہم نوجیون پاتے ہیں"

(خاتون اپنا ذکر سن کر متوجہ ہوتی ہے اور منیجر کا اشارہ پانے کے بعد ان لوگوں کی طرف چلی آتی ہے)

موت : کیا میں ادھر آسکتی ہوں؟

امرت: (کچھ رُک کر) .... آیئے.... خاتون موت ...... !

بلانوش: (اُٹھ کر) تشریف رکھئے (اپنی جگہ خالی کر دیتا ہے)

صفدر: ہا ہا! موت نے کبھی آنے کی اجازت طلب کی ہے؟

موت: معلوم ہوتا ہے آپ زمانے کے ساتھ نہیں دوڑ رہے ہیں۔ بیسویں صدی سے سائنسدانوں نے دنیا کی کایا پلٹ دی ہے موت کو اجازت لینا سیکھنا چاہیئے کیونکہ اور چند سالوں تک وہ اُن لوگوں کی اجازت کے بغیر نہیں آسکے گی جیسے ... جیسے اب زندگی اجازت لیکر آتی ہے!

بلانوش: ہو ہو ہو!!!

امرت: THATS BRILLIANT

پرو فیلسر مٹھا کر: CLEVER TOO!!

موت: (جاری رکھتے ہوئے) آج زندگی ہستی کے دروازے پر کھڑی کا پتنی ہے عبث جوش اور غصّے کے ساتھ! لیکن ہستی چند جھلکیاں اس کے سامنے تان دیتی ہے اور اس کے وجود میں آنے کی خواہش کو پورا نہیں ہونے دیتی۔ اور موت ......

بلانوش: خاتون "موت" "زندگی" سے زیادہ عقلمند ہے ..... ان کی باتوں میں سادگی کی نسبت عیاری اور پُرکاری زیادہ ہے ("موت" کا ہاتھ تھام لیتا ہے) آپ کے ہاتھ کس قدر نرم ہیں محترمہ!

صفدر: شیریں کا عشق فرہاد کا ہُنر ہے شاید تم ان ہاتھوں کے گداز کا اندازہ نہیں لگا سکتے!

امرت: سانپ کس قدر سُندر ہوتا ہے، لیکن اُس کے سر میں زہر ہے۔

پرو فیلسر مٹھا کر: سوندریہ شاستر کے وہ یار بھی اس زہر کی پرواہ نہیں کرتے۔

بلانوش: شراب کا جام وہ ہے جو ہمیں اس دنیا کے رنج اور غم سے آزاد کرے۔ ایک اور جام کے بغیر مجھے محسوس ہوتا ہے،

بہار بے پر جام دیار گنہ رہی ہے!

(سب داد دیتے ہیں)

موت: میں آپ کے لئے وسکی، اور اپنے لئے ایک پورٹ منگوا سکتی ہوں؟

امرت: لیکن......

(سب پر افسردگی چھا جاتی ہے)

پروفیسر ٹھاکر: ہم سوگند لے چکے ہیں۔

صفدر: (رُک کر)..... خاتون..... ہمیں افسوس ہے۔ ہم آج قسم کھا چکے ہیں کہ شراب کا یہ جام ہمارا آخری جام ہوگا۔ اسے ہم پی چکے ہیں۔

بلانوش: آپ اپنے لئے پورٹ منگوا سکتی ہیں۔

موت: ایک اور جام کے بغیر آپ لوگوں کی رگیں مُردہ ہو رہی ہیں۔ ان ہاتھوں سے دیئے ہوئے جام سے کبھی کسی نے انکار نہیں کیا۔

بلانوش: لیکن..... مادام!..... (شنکر کی طرف دیکھتا ہے) شنکر "زندگی" کے ساتھ ناچ رہا ہے..... اور ہم......

صفدر: وہ اچھا ناچتا ہے ــــــ میرا خیال تھا اُس کا پاؤں زندگی کے پاؤں پر پڑ جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا........ اور ہمارا عہد تھا کہ "زندگی" آخری لڑکی ہوگی!

امرت: یہ آخری کینٹے ہوگا۔ اور آخری کیبرے ــــــ

موت: شاید یہ تمہارا آخری بہک ہوگی!

بلانوش: میں کچھ کہنا چاہتا ہوں ــــــ (خلا میں گھورتے ہوئے) میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔

صفدر: میں نہیں جانتا، میں کچھ نہیں جانتا......

بلانوش: (اُٹھ کر۔ اور جوش سے) ہم اور شراب منگوا سکتے ہیں۔ ہم خاتون "موت" کی رفاقت

ہیں ناچ سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی قسم توڑنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

صفدر: (خوش ہو کر) وہ کیسے بلانوش؟

بلانوش: ہم نے کہا تھا آج سے ہم ان سب چیزوں کو چھوڑ دیں گے۔ آج سے! جس وقت ہم نے یہ قسم لی تھی۔ اُس وقت گھڑی بارہ بجا چکی تھی۔ بارہ بجے کے بعد دوسرا دن شروع ہوتا ہے اس لئے ہمارا آج کا دن ختم ہونے میں ابھی تیئیس گھنٹے باقی ہیں۔ اے بیرہ! پانچ وسکی اور ایک پورٹ لاؤ۔

صفدر: خوب، گویا ابھی پورا ایک دن باقی ہے!

امرت: (مسرت کے عالم میں) خاتون...... ادھر بیٹھ جائیے۔

صفدر: شنکر کو بلا لو۔ "زندگی" کو آواز دو!

بلانوش: ہمیں "موت" چاہیئے "زندگی" بہت بوڑھی ہے۔ اے بیرہ! پانچ وسکی اور ایک پورٹ کدھر مر گئے تھے، گدھے؟ ——

(سب ہل کر ہنستے ہیں "موت" کی خوف ناک ہنسی سب سے زیادہ بلند ہے — پردہ)

رخشندہ

(کردار، جس ترتیب سے وہ کھیل میں وارد ہوتے ہیں)

رخشندہ: بائیس تیئس برس کی ایک پڑھی لکھی، اعصاب زدہ لڑکی

آپا: رخشندہ کی آپا

دولہا بھائی: رخشندہ کے دولہا بھائی

بھابی: رخشندہ کی بھابی

بھائی جان: رخشندہ کے بھائی جان

ننھے میاں: رخشندہ کا چھوٹا بھائی۔

اماں جان: رخشندہ کی اماں جان

"آپ": رخشندہ کے جسم اور روح کے مالک

پہلا منظر

ایک پرانی وضع کے ٹھاٹ دار مکان کا بیرونی حصہ

ایک گیلری سی اس مکان کے ارد گرد دوڑ گئی ہے جس کا ایک حصہ سامنے نظر آرہا ہے اس گیلری پر ٹین کی ایک چھت ہے جو چوڑائی میں گیلری جتنی ہے چھت بارش کو روکنے کے لئے کافی ہے بشرطیکہ بارش ترچھی نہ ہو۔

اس وقت سخت بارش ہو رہی ہے اور بجلی کڑک رہی ہے چونکہ ہوا زوروں پر ہے اس لئے گیلری پر سے گزرنے والا بھیگ جاتا ہے۔ پردہ اُٹھنے کے تھوڑی دیر بعد رخشندہ، دیوار کے ساتھ لگی ہوئی سامنے نظر آنے والے دروازے کی طرف بڑھتی ہے . . . اگر وہ کھڑکی اور دروازے کے درمیان شمعدان نما بڑھاؤ کو پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہے تو اس کی شلوار کے پائچے پکڑتی ہے تو شمعدان ہاتھ میں نہیں آتا۔ اور وہ دیوار کے ساتھ ساتھ نہیں جا سکتی۔

رخشندہ ——— تھوڑے رکھ رکھاؤ کے بعد مزاحمت نہیں کرتی اور اپنے آپ کو بھیگنے دیتی ہے۔ ساٹن کی شلوار، اور آرگنڈی کی قمیص اُس کے دُبلے پتلے اور روح ایسے لطیف جسم کے ساتھ چپک جاتی ہے۔ رخشندہ کے بال بکھرے ہوئے ہیں: بجلی چمکتی ہے تو اس کے سفید چہرے پر سر کے بھورے بال یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے دیئے کی لَو سے کرنیں پھوٹ رہی ہیں ——— وہ رخشندہ ہے!

دروازے کے پاس پہنچ کر رخشندہ آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹاتی ہے لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں ملتا۔ ڈرتے ڈرتے وہ پھر دروازے پر ہاتھ مارتی ہے ———

رخشندہ: آپا! آپا! . . . (التجا سے) آپی! کھول دو نا کواڑ۔ دیکھو واسطہ دیتی ہوں بڑوں کا۔

آپا جان: (اندر سے) کون؟ رخشندہ ہے باہر؟ (دروازہ کھولتے ہوئے) رخشی! اسطرح کہیں کی اتنی رات گئے کدھر آدھمکیں تم ——؟

رخشندہ: تم کہو گی وہی پرانی عادت...... آپا! لیکن دیکھو کس قدر اندھیری رات ہے۔ بجلی کڑک رہی ہے۔ حوصلے کے پر جلے جاتے ہیں۔ اور "آپ" ابھی تک نہیں آئے اس وقت بارہ یا ایک بجا ہوگا۔ اللہ جانے کدھر بیٹھ رہے ہیں؟

(پھر رعد کی گرج اور بارش کی آواز سنائی دیتی ہے)

آپا جان: ظاہر ہے، کلب سے واپسی پر بارش نے آ لیا ہوگا۔ اُف کتنی بارش ہے، سامنے مکان کی سلیٹ والی چھت پر اولوں کی آواز...... کتنی بھیانک معلوم ہوتی ہے (سوچ کر) ...... لیکن کیا عجب ہے جو سلامت بھائی سکول کے برآمدے میں چھینٹے سے بچنے کے لئے ٹھہر گئے ہوں، کیا ہین رکھا تھا انہوں نے؟

رخشندہ: وہی ان کی دل پسند کالی پتلون تھی اور اوپر پرسٹرٹ جانے سے پہلے بہت دیر تک آئینہ کے سامنے کھڑے بال بناتے رہے۔ میں کہتی ہوں آئینہ بھی تنگ آ گیا ہوگا ان سے!

آپا جان: ہاں تو سلامت کیا مجھ سے چھپے ہوتے ہیں۔ ان سے یہ امید نہ رکھو کہ کپڑوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے گھر چلے آئیں گے۔

رخشندہ: (بجلی کی کڑک سن کر) آپا! میں یہ سب باتیں نہیں یہاں کھڑا اسکے کی غرض سے کہہ رہی ہوں! اس بجلی کی خوفناک آواز سے میرا قلب الٹا جاتا ہے اور آپا دولہا بھائی نے یہ کیا نحوست پھیلا رکھی ہے جو چھ گھنٹے سے سو رہے ہیں؟

آپا جان: سو کب رہے ہیں؟ آپ سوتے ہیں نہ مجھے سونے دیتے ہیں، ان کی طبیعت کا تمہیں پتہ ہے دماغ میں خیال پیدا ہوگیا کہ شطرنج کھیلیں گے۔ اب وہ اسی وقت میں ہی ذری آنکھ جھپکنے لگی تھی کہ مونے شطرنج میں گھسیٹ لیا مجھے۔

رخشندہ : آپا ، تم قیاس کر سکتی ہو۔ وہ کیوں نہیں آئے ؛ یہ ہاتھ میرے سینے پر رکھ کر دیکھو کس طرح کی دھمک پیدا ہو رہی ہے !

آپا جان : رخشی ؛ تم ناحق گھبرا رہی ہو ، ناحق۔ ابھی آئیں گے سلامت بھائی تو بڑی ہنسی ہوگی۔ پھر آنکھیں چار نہ کی جائیں گی تم سے۔

رخشندہ : آپا جان ! واپس جانے کی کوشش کیوں کر رہی ہو ؟ کیا تمہیں اپنی خوفزدہ بہن کا ذرا بھی خیال نہیں ، میری مصیبت کا ذرا بھی اندازہ نہیں ؛ تمہیں ادھر مشغول رکھنے کے لئے دولہا بھائی سے اجازت طلب کر لیتی ہوں ، تم گھڑی دو گھڑی میرے پاس بیٹھ جاؤ جب میرا جی سنبھل جائے تو چلی ہی جانا۔

آپا جان : ہائے ہائے۔ اتنا بھی کیا ہے تھی ؟

رخشندہ : (محبت سے) آپی تم نہیں جانتیں میں ــــ کتنا سہی جا رہی ہوں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے (سوچتے ہوتے) دنیا میں ، میں ہی ایک عورت ہوں جس کا خاوند ابھی تک واپس نہیں آیا۔ بس ہی ایک روح سرگرداں ہوں جو صدیوں سے سائے سائے ٹھیک اور تیز گام قدموں کے پیچھے دیوانہ وار دوڑ رہی ہے جو اپنے گوہر مقصود کی تلاش میں ازل سے آ رہا ہے .... میں نے کتنی صحرا نوردی کی ہے۔ کتنے کوہ و دشت ملے ہیں ! چٹانوں اور کانٹوں کی نوکوں کے چلتے ہوئے بوسے میرے قدموں پر عادی ہو گئے ہیں ، آپا یہ دیکھو میرے پاؤں : ....

آپا جان : اُف ! یہ گودنے سے کیا ہیں تھی .... ؟

رخشندہ : وہ .... وہ دیکھو .... وہ ...... (خلا میں دیکھنے لگتی ہے)

آپا جان : وہ۔ (اوپر دیکھتے ہوئے) وہ کیا ہے رخشی !

رخشندہ : آپا کئی موٹروں کے پہیے اور دھڑے میرے ذہن میں گھوم رہے ہیں ، کانوں میں گھر گھر کی ایک مسلسل آواز سنائی دیتی ہے۔ جو آنا فاناً ایک دھماکہ پہ ختم ہو جاتی ہے۔

وہ دیکھو کیا نہیں کچھ نہیں دکھائی دیتا؟

آپا جان: کیا ہے.... مجھے تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔

رخشندہ: ہاں وہ دیکھو۔ ہسپتال کی آیوڈین میں بسی ہوئی پیلی پیلی پٹیاں عزرائیل کی زرد بے خون انگلیوں پر جگہ لگا رہی ہیں۔ تم جانتی ہو پارسال بجیا فیاض کے چوٹ آئی تھی تو ان کی ٹانگ پر پلستر چڑھا کر اسے لکڑی کی ایک تختی کے ساتھ باندھ دیا تھا اور وہ کس درد و کرب سے کراہتے تھے ان کی آنکھوں کی دہشت ہمیشہ کے لئے میرے دل پر نقش ہو گئی ہے اور مجھے اس سے کتنا ڈر معلوم ہوتا ہے...؟

(بادل کی گرج سنائی دیتی ہے) آپا! اچھی مجھے اپنے دامن میں چھپا لو۔

آپا جان: (روکھی ہنسی ہنستے ہوئے) میرے دامن میں چھپو گی؟ میرا دامن اتنا مختصر ہے کہ....

رخشندہ: (تاسف سے) اوہ! تمہارا دامن تمہاری رخشندہ پہ بھی تنگ ہو گیا ہے آپا! یہ مجھے معلوم نہ تھا... شادی کے بعد یتیم اور بے کس بہن بھائیوں کے ساتھ ایسا سلوک کس قدر افسوسناک ہے کیا اس دامن میں ننھا اور تابی ہی سما سکتے ہیں یا... (کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن شرم مانع ہے)...

آپا جان: (برافروختہ) آخر یہ کیا ہے آدھی رات کے وقت؟ تم تو دیوانی ہو رہی ہو سب سو رہے ہیں۔ تو کیا بدتمیزی ہے کہ ذری خلاف توقع مرد کے آنے میں دیر ہوئی تو یوں تُنک گئیں۔

رخشندہ: (آواز میں رقت ہے) تمیز! (آواز میں لغزش ہے) اوہ تمیز! کبھی تم لوگ میری تمیز اور سلیقہ کی داد دیا کرتے تھے، کبھی میری حیا کا چرچہ ہوا کرتا تھا جب کسی کا بچانے والا ہاتھ ہٹ جائے تو عورت سے سب عیب منسوب کر دیئے جاتے ہیں آپا تم جانتی ہو۔ جب ابا اللہ کو پیارے ہوئے تو رشتہ داروں نے کونسی تہمتیں تھیں جو اماں جان پہ نہ لگائیں؟ اگر وہ گھر سے نکلی ہیں تو ان پر انگلیاں اٹھی ہیں۔ اگر اندر رہی ہیں تو آوازے کسے گئے ہیں اب جن حالات میں میں ہوں ان میں تمیز سے واسطہ؟ آپا میری تمیز، میری حیا، میری عقل، میرے سہاگ کی باندی ہے!

آپا جان: تم حیا کا دامن چھوڑ رہی ہو رخشی!

رخشندہ: آپا جان آج اس مختصر سی بیوگی پہ مجھے اپنی بیوہ ماں کے دکھ کا احساس ہوتا ہے تم

کیوں نہیں سوجاتیں۔ اماں"؟ ہم اپنی نادانی میں اسے ہمیشہ کہا کرتی تھیں لیکن وہ ایک ٹک چھت کی طرف جہاں سے مالی نے شہد کا چھتہ اتارا تھا، دیکھتی جاتیں اور۔۔۔۔

آپا جان: تم بھی عجیب ہو جوبیگی کا آزادانہ طور پر ذکر کر رہی ہو حالانکہ عورتیں اس کے تذکرے تک کو بُرا سمجھتی ہیں، اور اماں جان اپنی دائمی بیوگی پہ اتنا واویلا نہیں کرتیں جتنا تم۔۔۔۔

رخشندہ: تم نے یہ سوچنے کی زحمت بھی گوارا کی ہے آپا کہ ان کی خاموشی کتنی پُرشور ہے! اُن کے کپڑوں کی ماتم آلود سادگی میں ہزاروں بیواؤں کا سوگ دکھائی دیتا ہے! اُن کی پتھرائی ہوئی نظروں میں ان بینکڑوں عورتوں کی کاہش اور کسک ہے جن کے خاوند گھر نہیں آئے ان سب باتوں کے باوجود ان کے دل کی حدیث میرے قصّے سے علیٰحدہ ہے اماں جان نے دنیا کا اونچ نیچ دیکھ لیا ہے اور ستواس تے اپنے بہو بیٹے، بیٹی اور داماد میں اپنا سہاگ پالیا ہے اور پھر (وقفہ) ـــــــ پھر۔ــــ بادل کی گرج سنائی دیتی ہے۔

آپا جان: اور پھر کیا؟

رخشندہ: (ڈر کر) میرے اور قریب ہو جاؤ آپا، پھر اماں جان نے اپنے دل کو سمجھا دیا ہے کہ ابا جان جنت سے واپس نہیں آنے کے۔ لیکن میں ان کی طرح نہیں سوچ سکتی میری ماں کا خاوند فانی تھا لیکن میرا خاوند غیر فانی ہے!

آپا جان: (گھبرا کر) رخشندہ یہ کیا بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو؟

رخشندہ: میں دیوانی تو نہیں آپا!

آپا جان: دیوانہ اپنے زعم میں۔۔۔۔

رخشندہ: میں ٹھیک کہہ رہی ہوں آپا، روح کا خاوند کبھی نہیں مرتا۔ (ایک مریض کی سی ہنسی) لیکن ریک لحنت جیسے اس نے نبض کو پالیا ہو لیکن ہمیشہ اس کے آگے آگے بھاگتا رہتا ہے جس طرح ازل سے چاند سورج کا تعاقب کر رہا ہے لیکن ہمیشہ سے برابر کا فاصلہ قائم ہے۔ اس طرح روحِ ازل سے اپنے محبوب کو پکڑنے کے لئے عالم ہستی میں

سرگرداں ہے لیکن اسے پکڑ نہیں پاتی،

(دور سے دولہا بھائی کی آواز آتی ہے دولہا بھائی کا اُصول ہے۔ خوش باش وسے کہ زندگانی این است)

دولہا بھائی: بیوی! آپ آئیں گی یا پانسہ اُلٹ دوں ؟

آپا جان: میں کہتی ہوں ذری ادھر آیئے لپک کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دولہا بھائی: ادھر کیا ہے ؟

آپا جان: سلامت بھائی نہیں آئے تو رخشی باؤلی ہوئی جارہی ہے۔

دولہا بھائی: ہار رہی ہو تو اب جب کہ میرا جون نجبر ہوا جاتا ہے تو آپ کیا چپکے سے بیٹھ رہی ہیں وہاں!

آپا جان: میں کہہ رہی ہوں سلامت بھائی نہیں آئے ابھی تک۔

دولہا بھائی: رخشی کو کہو سورۃ حمد پڑھے آکے حکم ہی تو صادر کرے گا۔ وہ ہمیشہ کی طرح آئیگا وقت پر! (کچھ قریب آجاتے ہیں)

رخشندہ: وقت کب کا ہوچکا دولہا بھائی۔

دولہا بھائی: ایں؟ ایک بج چکا ہے! (ایک جماہی لے کر) تو کیا مضائقہ ہے باہر دیکھو۔ موسم بھی تو کتنا خراب ہے کہیں بارش کے تھم جانے کا انتظار کر رہا ہوگا۔

آپا جان: ڈر یہی ہے کہ کہیں موٹر تانگہ کی لپیٹ میں نہ آگئے ہوں میاں یا آج کل موٹریں بھی تو کتنے بیلوں کی طرح دوڑتی پھرتی ہیں۔

دولہا بھائی: ارے جانے بھی دو تم نے سلامت میاں کو بچہ سمجھ رکھا ہے؟ کان کاٹتا ہے وہ بڑے بڑوں کے!

رخشندہ: کان کاٹتے ہوں گے لیکن حادثے کو عقل سے نہیں تقدیر سے واسطہ ہوتا ہے دولہا بھائی!

دولہا بھائی: پھر جو آدمی تقدیر کو مانتے ہیں! انہیں تو تسلیم و رضا کی عادت ڈالنا اور خوش رہنا چاہیئے (بات کا رُخ پلٹ کر) اور میں سوچتا ہوں۔ سلامت کس قدر خوش قسمت

ہے (مزا لے کر) رخشندہ ایسی لڑکی اس کا انتظار کرتی ہے! یہ دیکھو رخشندہ یہ بھی تمہاری ہی بہن ہے نا کبھی دس بجے بھی آؤں تو آرام سے پڑی سو رہی ہوتی ہیں!

آپا جان: (خفا ہو کر) میں نے سمجھ لیا ہے نا کہ آپ کے وقت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے بقول حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے) اور رخشی سلامت بھائی کے متعلق جانتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ کلب میں جاتے ہیں اور اس کے بعد شرانجلتے قہوہ خانے میں جھک نہیں مارتے پھرتے سیدھے ہی گھر کا رُخ کرتے ہیں۔

دولہا بھائی: سنتی ہو رخشندہ؟ سُورج غروب ہونے کے بعد کبھی گھر سے باہر نہیں رہا۔ لیکن آپ اُس وقت بھی نیند میں مدہوش ہوتی ہیں! اور پھر پہلے پہر کی نیند! جگانا تو سوتے ہوئے شیر کو ہاتھ لگانا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر کہیں حادثہ ہو جائے تو تین دن کے بعد میری نعش ہسپتال کے مُردہ خانے سے ملے۔

آپا جان: (جھک کر) چپ رہیئے آپ کو بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ ہسپتال کے مُردہ خانے کا ذکر کرتے ہوئے کیا آپ رخشندہ کے زخم پہ پھاہا رکھ رہے ہیں؟

دولہا بھائی: (رخشندہ) لڑکی! تم مطلق فکر نہ کرو، وہ آتا ہی ہوگا، ذرا بارش تو تھم جانے دو اور جو انتظار کرنا ہی ٹھہرا تو آؤ! ایک بازی شطرنج کی لگالیں (جاتے ہیں)

آپا جان: چلو گی؟

رخشندہ: ہوں! شطرنج!

آپا جان: آخر دل جو بہلانا ہوا،

رخشندہ: کیا ایسے میں مجھے شطرنج کی چالیں سُوجھیں گی۔

آپا جان: (خفا ہو کر) تم ایسی نادان چھوکریاں ہی مردوں کو خراب کرتی ہیں.... اور خود بھی خراب ہوتی ہیں۔

رخشندہ: اور اپنی خرابی میں کتنا خوش ہوتی ہیں آپا! خدا دولہا بھائی کو خواجہ خضر کی عمر عطا

کہ سے اور تمہاری گود ہمیشہ ہری رہے۔ جس کی گود میں بچے اور جس کے پہلو میں اس کا چاہنے والا ہو۔ اُسے کیا پڑی ہے جو دوسرے کے غم کو اپنا غم سمجھے۔ جس کو نہ ہوئے بوائی ..... وہ کیا جانے پیر پرائی۔

آپا جان: تمہاری نگاہ میں میرے بچے اور میرا شوہر ہو۔ رخشندہ! کیا تمہیں شرم نہیں آتی۔ جو اپنے حسد و بغض کا کھلے بندوں اظہار کرنے لگو۔ یہ تمہاری وجہ سے ہے کہ وہ میری طرف سے بے اعتنا رہتے ہیں۔

رخشندہ: میری وجہ سے؟

آپا جان: ارے توبہ توبہ! خدائی بھر میں کوئی تم ایسی باتیں سن کر صبر اور سکون کا دامن تھامے رکھے گا؟ میں تو تمہیں اپنی بہن ہی سمجھتی تھی مگر تم تو خاصی سوت ہو!

رخشندہ: (چیخ مار کر) آپا!

آپا جان: چل اپنے کمرے کے اندر جلے کے سوہ تیرے پاگل پنے کا ایک ہی جواب ہے۔ (زور سے دروازہ بند کر دیتی ہے)

رخشندہ: (جیسے یقین نہیں آتا) دروازہ بند کر دیا! مجھ پر میری اپنی بہن نے دروازہ بند کر دیا!

(پردہ)

دوسرا منظر

زخشندہ کے بھائی جان اور ان کی بھابی کا کمرہ

کمرے میں مدھم سی روشنی ہے جس میں کمرے کے عین درمیان دو پلنگ دکھائی دیتے ہیں ایک پلنگ پر بھائی جان بیٹھے گھٹنوں تک دوشالہ اوڑھے سگریٹ پی رہے ہیں۔ پاس ہی ڈائمنڈ کٹ کے ایک خوبصورت سے گلاس میں ایک رنگین سی چیز پڑی ہے ..... بیگم (زخشندہ کی بھابی) سے باتیں کرتے ہوئے وہ گلاس اُٹھاکر ایک گھونٹ پی لیتے ہیں

باہر بارش کی آواز اور بادل کی گرج برابر سنائی دے رہی ہے کچھ دیر بعد زخشندہ کی بھابی اپنے میاں کی بغل سے اُٹھ کر دروازے کے قریب پہنچتی نظر آتی ہے۔ پہلے وہ روشندان کی رسی کو کھینچتی ہے تاکہ پانی کی بوچھاڑ کمرے میں گر کر قالینوں کو خراب نہ کر دے۔ پھر وہ دروازے کے پاس کھڑکی کی نچلی چٹخنی کو بھی بند کر دیتی ہے اور دروازوں میں کاغذ ڈال دیتی ہے اس کے بعد وہ پلنگ کے دوسرے طرف بیٹھ جاتی ہے اور دوشالہ اپنے گھٹنوں تک کھینچ لیتی ہے۔

ان دونوں میاں بیوی کی زندگی کا یہ نہایت پُر کیف لمحہ ہے۔ باہر بارش ہے سردی ہے اور ان دونوں کو عشق و محبت کی گرمی میسر ہے انہیں کچھ اس قسم کا حظ حاصل ہو رہا ہے جیسے سردیوں کی صبح چائے کے عادی شخص کو چائے کا ایک گرم پیالہ لینے سے حاصل ہوتا ہے اور پھر اگر ایک سگریٹ بھی مل جائے تو.....

بھابی: کتنی خوف ناک رات ہے۔ طوفان بڑھتا ہی جا رہا ہے!

بھائی جان: درختوں کے دیو وحشت ناک سیٹیاں بجا رہے ہیں۔ جیسے خوف ناک گھنے جنگل میں رہزن کسی مسافر کو دیکھ کر اشارے کرتے ہیں۔

بھابی: کالے بادلوں میں بجلی کی کوند کتنی بھیانک معلوم ہوتی ہے۔ جانور بے چارے اپنے

گھونسلوں میں کیا کرتے ہوں گے؟ ہماری چھت کی کارنس پر جو کھٹ بھوڑا رہتا ہے ....

بھائی جان: یہ ولبلے رہتے پروں سے نشیمن کو رات بھر..... کہ کیا کر سکتے ہیں بے چارے؟

بھابی: ہمارا بھی ننھا سا گھونسلا.....

بھائی جان: کتنا اچھا ہے!.... جس میں ہم اور تم زندگی کے حسین لمحے کاٹ رہے ہیں، زندگی کے حسین لمحے وہی ہوتے ہیں، جب باہر طوفان ہو حالات ناموافق ہوں، لیکن محبت کرنے والے دل ان سب باتوں سے بے خبر اپنی ننھی سی دنیا میں مگن ہوں.....

بھابی: اور اس لمحے چاہتے نشیمن پر بجلی گر جائے.... آہ.... کس قدر موزوں ترین خاتمہ ہے!

(دروازہ پر دستک سنائی دیتی ہے)

بھابی: کون ہے؟

بھائی جان: بجلی ــــ

بھابی: لیکن ایسی بجلی جو ہمارا خاتمہ نہ کر سکے گی۔

رخشندہ: (کی آواز) بھائی جان؟..... بھائی جان!

بھائی جان: کون ہے اس وقت؟ (رک کر) رخشی معلوم ہوتی ہے! لیکن یہ کیا بوالعجبی ہے کہ رات کے تیسرے پہر..... ؟......

بھابی: بے وقت کی شہنائی! ــــ

بھائی جان: (ایک طویل سرد آہ بھرتے ہوئے) اس کی زندگی بھی سوتے جاگتے کا ایک نا تمام افسانہ ہے

بھابی: (انظار ناپسندیدگی میں) چاہے بہن ہی ہے آپ کی، لیکن ایک بات ہیں مزلڑکوں کی کہ اسے وقت کی تمیز نہیں۔ اس بھرے گھر میں جہاں بڑے بھی ہیں اور چھوٹے بھی ہیں اکیلے بیٹھنے کا موقع ہی کب ملتا ہے میں نے آ کر دیکھا ہے جب ہم دونوں اکیلے ہوتے ہیں تو مزور آ دھمکتی ہے۔

بھائی جان: بڑی عادت ہے لیکن.....

بھابی: ہاں..... لیکن..... آپ تو اس کا جواز تلاش کر ہی لیں گے۔ دنیا میں کوئی ایسی بات ہے

بھی جس کا جواز نہ پیش کیا جا سکے۔ میرے بھی بھائی ہیں لیکن کیا مجال جو میری پاسداری کریں ان کے نزدیک ہمیشہ وہی سچ ہوتا ہے جو بھابی جان کہتی ہیں اس لحاظ سے رخشندہ واقعی رخشندہ اختر ہے ــــــ!

بھائی جان: میں محض جواز نہیں پیدا کر رہا!

رخشندہ کی آواز: (زیادہ مضطرب) بھائی جان! بھابی! خدا کے لئے دروازہ کھول دیجئے۔

بھائی جان: رخشندہ کی آواز میں غیر معمولی گھبراہٹ نہیں سنائی دیتی کیا؟

بھابی: اس کی آواز گھبراہٹ سے خالی کب ہوتی ہے؟ وہ ہمیشہ بات یوں شروع کرتی ہے جیسے کوئی حادثہ رونما ہو گیا ہے اس کی کھوئی کھوئی نگاہوں سے ہمیشہ یہ پتہ چلتا ہے کہ اس نے ایک عظیم الشان سلطنت کھو دی ہے۔ ایسی سلطنت جو کبھی اس کی ملکیت نہ تھی....

بھائی جان: فصاحت کے دفتر پھر کھول دینا۔ دیکھو تو سہی ماجرا کیا ہے؟ (دروازہ کھولو۔ دروازے تک پہنچتے ہوئے بھابی اس انداز سے پوچھتی ہیں گویا انہوں نے دستک کو پہلی بار سُن پایا ہے رخشندہ کی آواز آپا جان کے سلوک کی وجہ سے زیادہ ہی معذرت سے پڑ اور صدمہ زدہ ہو گئی ہے)

بھابی: کون ہے.....؟ (دروازہ کھولتی ہے)

رخشندہ: میں ہوں ایک بھک منگی۔

بھابی: بھک منگی؟

رخشندہ: ہاں میں تم لوگوں سے بھیک مانگنے آئی ہوں بھابی۔ تم فقط میری بھابی ہی نہیں ہو پھوپھی زاد ہونے کی وجہ سے تم میری چھوٹی بہن بھی ہو۔ بہت سی باتیں جو میں اماں جان سے نہیں کر سکی وہ میں نے تمہارے ساتھ کی ہیں میرے کئی راز تمہارے کانوں کے گوشوارے ہیں۔

بھابی: کیا بات ہے۔ آپا! خدا کے لئے مجھے پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ میں بھی تمہاری طرح گھبرا رہی ہوں۔

رخشندہ: تم..... تم۔ میری مصیبت کا اندازہ لگا سکتی ہو۔ بھائی جان کو دیر سے گھر آنے کی عادت ہے بھابی جب بھائی جان نہیں آتے تو کیا تمہاری نگاہیں دروازے کی طرف دیکھتے دیکھتے پتھرانے

بھائی جان: یہ سب اس لئے ہے کہ تم نے اپنی بحث طرازی میں دروازہ جلدی سے نہیں کھولا۔
رخشندہ: وہ پردے ہی میں رہے ہیں۔ وہ پردے کی تہوں میں چھپ گئے ہوں گے (بھاگتی ہے)
لیکن ان بازوؤں میں ہوا کے سوا کچھ بھی نہیں۔ وہ یہیں تھے لیکن دروازہ کھلتے ہی کہیں غائب ہو گئے ہیں۔ میں مر کر ان پردوں کو ہمیشہ ہلاتی رہوں گی۔ ان دروازوں کے اندر باہر ہمیشہ کے لئے گھومتی رہ جاؤں گی۔

بھائی جان: (ڈکر کر) رخشی۔ رخشی۔

بھابی: میں کہتا ہوں، انہیں جھنجھوڑیئے۔۔۔۔ اور۔۔۔!

رخشندہ: راستہ کدھر ہے؟ تم لوگ کیوں بحر ظلمات میں غوطہ کھا رہے ہو۔ بتی جلاؤ۔

بھابی: بتی جل رہی ہے۔

بھائی جان: بتی جل رہی ہے (گھبرا کر) بتی جل رہی ہے۔

رخشندہ: راستہ کدھر ہے؟ میں انہیں مدتوں سے ڈھونڈھ رہی ہوں۔ میں ان کے طور طریقے سے واقف ہوں ایک نظر دکھائی دے کر پھر گم ہو جانا ان کا شیوہ ہے۔

بھائی جان: سلامت بھائی ابھی تک نہیں آئے۔ ان کو تو دیر لگانے کی عادت نہیں۔

بھابی: آئین ہائیں۔ اب مردوں پر حکم تھوڑے ہی لگایا جا سکتا ہے ایسے ہی جیسے آپ کو کسی ضابطے کا پابند کیا جا سکتا ہے!

بھائی جان: مجھے پتہ ہو کر کسی کی یہ غیر حالت ہو سکتی ہے تو میں کبھی دیر نہ لگایا کروں گا۔

بھابی: اس طرح ہوتا ہے کسی میں کم کسی میں زیادہ۔ تعجب ہے! سلامت بھائی ہو کہاں سکتے ہیں اس وقت؟

بھائی جان: شہاب گنج میں ایک سینہ نالہ ہے اس سے گاڑھی چھنتی ہے ان کی کیا معلوم ہو موسم کی خرابی کی وجہ سے وہیں ٹھہر گئے ہوں۔

بھابی: جب اپنے گھر کے آدمیوں کا پتہ ہو تو پھر کسی صورت نہیں رکنا چاہیئے۔

نہیں لگتیں ......؟ کیا تمہیں ہر حرکت میں صدیوں سے ایک مانوس آہٹ نہیں سنائی دیتی؟

بھابی: سنائی دیتی ہے آپا لیکن.....

رخشندہ: کیا تم باتیں کرتی ہوئی بہک نہیں جاتیں؟ کیا تمہارے کردار اور گفتار میں فرق نہیں پڑتا؟ کیا تمہیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ دنیا بھر میں تم ہی ایک ایسی عورت ہو جس کا خاوند واپس نہیں آیا۔ کیا تمہارا فکر تمہاری چربی کا چراغ جلا کر راہگذاروں، شاہراہوں، اسپتالوں میں نہیں ڈھونڈا کرتا؟ کیا تمہیں یوں نہیں دکھائی دیتا جیسے تم صدیوں سے آوارہ ہو رہی ہو اور تمہارے عزیز اپنے نرم وگرم گھونسلے میں پڑے تمہاری مصیبت کا خیال نہیں کرتے۔

: آہ! روح اس تجسس ناآبد میں کتنا وقار کھو دیتی ہے! وہ کتنی کم ظرف ہو جاتی ہے۔

بھابی: مشکل ہی سے کوئی عورت ہوگی جو اپنے خاوند کی اس بے اعتنائی کو دیکھ کر چپ رہے۔ عورتیں ہمیشہ اس بات سے خفا ہوتی ہیں لیکن سوچو تو سہی۔ یہی ایک لطیف بنیاد ہے جس پر حبیب ومحبوب کی محبت کا محل کھڑا ہے ہاتھ پسارو اور تمہیں محبوب مل جاتے ..... تو روح کی مقدس آگ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاتی ہے۔

رخشندہ: بھابی۔ میں تمہارے ہاتھ چومتی ہوں۔ آؤ۔ مجھ سے لپٹ جاؤ۔ تمہارے اس فقرے میں کتنی پیغمبرانہ شان ہے۔ لیکن وہ کدھر ہیں؟ اب انتظار کی وحشت مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ مجھ سے مذاق نہ کرو مجھے میرا شوہر دے دو مجھے میرا شوہر دے دو۔

بھائی جان: (جو جامد ساکت سب باتیں سن رہا ہے) رخشندہ اختر!

رخشندہ: آپ لوگوں نے اسے کہیں چھپا رکھا ہے وہ دیکھو بستر ا بھرا ہوا ہے (دوڑ کر بستر تک پہنچتی ہے) کیوں یہاں کچھ بھی نہیں؟

بھائی جان: رخشی۔ رخشی۔ بیوی رخشی کے کپڑے بھیگ رہے ہیں۔

بھابی: ہاں ساری شلوار گیلی ہوئی جاتی ہے۔ برآمدے میں کھڑے رہنے کی وجہ سے چھینٹا پڑ گیا ہے۔

بھائی جان: یاالٰہی لائبریری میں چمڑے کی جلدوں کی بُو اچھی لگتی ہے ۔
بھابی: لیکن لائبریری تو نو بجے بند ہوجاتی ہے ۔
بھائی جان: اور بارش آٹھ بجے سے ہورہی ہے لیکن سلامت اپنے کپڑوں کو کسی طرح بھی خراب کرنے والے نہیں ۔
بھابی: استرفیاں الجھیں، کوٹھیوں پہ بہار رشتندہ ایک طرف اور کپڑے دوسری طرف بھی!
بھائی جان: البتہ سینما کے دوسرے شو میں نہ چلے گئے ہوں ۔
بھابی: لیکن کتنا غیر ذمہ دارانہ رویہ ہے۔ اچھی طرح سے جانتے ہیں لاڈلی کو ۔ اسے تو تعویذ بنا کر گلے میں ڈال لیا ہوتا ۔
رشتندہ: (آواز میں رقت ہے) بھائی جان ۔ اللہ نے مجھے اور آپ کو ایک ہی خون سے بنایا ہے لیکن ان کے نہ آنے سے آپ کا خون کیوں بے حس رہتا ہے؟ اس میں بے تار برقی کا عمل کیوں نہیں؟ کیوں ہر بار میری ہی گردن غم واندوہ کی کند چھری سے ریتی جاتی ہے آپ کیوں نہیں سامنے پڑا ہوا چھاتا لے کر نکل جاتے اور انہیں ڈھونڈ لاتے؟
بھابی: پتہ بھی ہو سلامت ہیں کہاں ۔ اور پھر چھاتا ابھی ٹھیک حالت میں نہیں ہے ۔
رشتندہ: برساتی ۔ بھائی جان! برساتی کیوں نہیں پہن لیتے؟
بھابی: ہونہہ! جیسا حال ہے وقت کی برساتی خرید رکھی ہے ۔ وہ کیا چھینٹے کو روک سکتی ہے؟
بھائی جان: اور ایسے میں تو چھاتا بھی بے بضاعت ثابت ہوتا ہے ۔
بھابی: اچھی حالت میں بھی ہو تو اُلٹ جاتا ہے اور برساتی میں گردن کے قریب ایک بڑا سا سوراخ بھی ہے
رشتندہ: راستہ انسان جب روح اپنے مالک کا پیچھا کرتی ہے ۔ تو رات کس قدر اندھیری ہو جاتی ہے ۔ دنیا کے چاروں کونوں سے طوفان اُمنڈ آتے ہیں ۔ حزن میں سور بجلیاں کوندنے لگتی ہیں ۔ کائنات کا ذرہ ذرہ مخالفت پر تُل جاتا ہے ۔ سگی بہن کواڑ بند کر لیتی ہے ۔ بھائیوں کے چھاتے اُلٹ جاتے ہیں اور بدنصیب روح ......

بھابی: آپا معاف کیجئے۔ آپ کو دوسروں کے برتن میں گدلا پانی گھنگلنے کی بہت بڑی عادت ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کو اپنے بھائی کی نسبت اپنا شوہر زیادہ عزیز ہے۔ نہ جانے شادی کے بعد بہنوں کو کیا ہو جاتا ہے؟ ماں باپ بہن بھائی سب شوہر کے مقابلے میں ہیچ دکھائی دینے لگتے ہیں۔

رخشندہ: مجھے میرے ہی خنجر سے ہلال نہ کرو بھابی۔ تم یہ سب باتیں ایسے کہہ رہی ہو۔ بھابی جیسے تم کسی کی بہن نہیں ہو۔ لیکن (رونے لگتی ہے) زندگی کی شمع زندگی سے ہی جلتی ہے۔ ڈوبتے ہوتے آدمی کو بچانے کے لئے ایک خطرے سے باہر انسان کو اپنی جان ہوکم میں ڈالنا ہوتی ہے اگر یہ نہ ہو کہ دوسرا آدمی ڈوب ہی چکا ہے تو کوئی نامحرم کو بھی چھلانگ لگانے کے لئے منع ہے۔ آہ بھابی! تم لوگ ایک بیقرار روح کو کتنا غلط سمجھتے ہو!

(ننھے میاں داخل ہوتے ہیں)

ننھے میاں: یہ کیا ادھم سا مچ رہا ہے ادھر؟

بھابی: وہی روز مرہ ننھے میاں!

ننھے میاں: آپا کیوں پاگلوں کی طرح چیخ رہی ہے؟

رخشندہ: میں ہی مشیخت کی ماری ہوئی ہوں ننھے میاں! ہر روز مجھے تلنے کے لئے زمانے کی کڑاہی میں بناتیل ڈالا جاتا ہے۔ ہر روز میرے لئے ایک المناک افسانہ کھڑا ہوتا ہے۔

ننھے میاں: آج کیا بات ہے؟

بھابی جان: بات کیا ہوگی۔ سلامت بھائی نہیں آئے۔

ننھے میاں: تو اتنا شور مچانے کی کیا ضرورت ہے؟ پرسوں میرا امتحان ہے اور میں ایک لفظ بھی تو نہیں پڑھ سکتا۔ بھائی جان آجائیں گے کوئی بچہ تو نہیں ہیں۔

رخشندہ: ننھے میاں۔ کیا تم بھی اس قبیح سازش میں شریک ہو؟ کیا تم بھی اس غلیظ اسٹیج پر کھیلے جانے والے ڈرامے کے ایک ولین ہو؟

بھائی جان: (اونچی آواز میں) رخشندہ بہن اپنی زبان کو قابو میں رکھنا چاہیئے۔
ننھے میاں: بھائی جان بہ ہم ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ آپا کو اچھی طرح سے جانتے ہوتے بھی نہیں جان رہے ہیں (نہایت محبت سے) آپا جان۔ کیا چاہتی ہیں آپ؟
رخشندہ: (ہمدردی کے الفاظ سن کر بھیر ٹھٹکتی ہے) میں کیا چاہتی ہوں؟ ازیت خوری دے کر کچھ بھی سے پوچھتے ہیں کہ میں ..... آہ! تم سب بہن بھائی گرگ درندہ ہو۔
ننھے میاں: لیکن آپا.....
رخشندہ: میں کسی کو انہیں تلاش کرنے کے لئے مجبور نہیں کرتی۔ میں خود چلی جاتی ہوں لیکن تم لوگ مجھے یوں سڑکوں پر رلتے ہوئے دیکھ کر بھی تو برداشت نہیں کرتے۔ خود جا تو یا مجھے جانے دو۔ ننھے میاں تم میرے چھوٹے بھائی ہو کیا تم پر بھی میں کوئی حق نہیں رکھتی؟ نہیں روکنے والی تو یہاں کوئی نہیں ہے۔
بھابی: دیکھو آپا.....
ننھے میاں: بھابی! آپ پھر بولنے لگیں آپ معاملے کی نزاکت کو نہیں سمجھ سکتیں۔ لائیے کدھر ہے چھاتا اور برساتی؟
بھائی جان: (ندامت سے) باہر جانے سے تو میں نہیں گھبراتا البتہ مجھے.....
بھابی: چھاتا اور برساتی وہ دونوں سامنے کپڑوں والی الماری میں پڑے ہیں۔
(ننھے میاں جاتے ہیں)
رخشندہ: (پھر خلا میں دیکھتے ہوئے) کارواں کارواں جارہا ہے مجھے اپنے کانوں میں گھنٹیوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ کارواں چلا گیا اور میں ریگ صحرا پھانک رہی ہوں۔
بھابی: (حیران ہو کر) آپا کو کشف ہو رہا ہے!
بھائی جان: (حیران ہو کر) کشف ہو رہا ہے؟
بھابی: آپ دیکھتے نہیں ان کی نگاہیں کس طرح ایک نقطے پر جمی ہوئی ہیں..... وہ اس دیوار کے پار اس طرح دیکھ رہی ہیں جیسے وہ شیشے میں سے جھانک رہی ہوں (وحشت زدہ ہو کر) اپنی نظریں دل دیکھو کو چیر رہی ہیں۔

بھائی جان: بیوی ۔۔۔۔ رخشی کو کیا ہوگیا ہے؟ خدارا اس کے کپڑے بدل ڈالو! ورنہ یہ سردی میں مر جائے گی۔ دیکھو اس کے ہونٹ نیلے ہو رہے ہیں ۔

رخشندہ: کپڑے! (ہنس کر) میں نے پہلے ہی اپنے جسم کو غم زمینوں کے کپڑوں سے آلودہ کر رکھا ہے (نفرت سے) تم لوگوں نے پہلے ہی مجھے جو جسم دے رکھا ہے وہ ایک چیتھڑے سے زیادہ نہیں وہ سال میں بارہ مہینے نزلہ اور سر درد میں مبتلا رہتا ہے (کشف) میں محض ایک جسم سے کچھ زیادہ ہوں! لیکن میں کون تھی؟ کہاں تھی؟ اور کدھر چلی آئی ؟ (دیوانہ وار ناچتے ہوئے)

"جب سے ہوں میں نیستاں سے بیوطن"۔

(ناچنے لگتی ہے)

بھائی جان: بیوی! مجھ سے یہ نہیں سہا جاتا۔ تم زبردستی رخشندہ کے کپڑے بدل ڈالو۔ میں اماں جان کو اطلاع دیتا ہوں۔

بھابی: میرے ہاتھ پاؤں بھی پھولنے لگے ہیں۔ آپ آپا کے چہرے کا جلال نہیں دیکھ رہے؟ اُف! ۔۔۔۔۔۔ میری آنکھیں تو خیرہ ہوئی جاتی ہیں۔

رخشندہ: یہ روح کا ناچ ہے! روح کا ناچ! روح جب اپنے ازلی خاوند، اپنے اصل سے جدا ہوتی ہے تو پھر اس کے وصال کے لئے بھٹکتی پھرتی ہے!

(گاتی ہے)

جبؔ سے ہوں میں نیستاں سے بیوطن

ہیں ہبر سے شیون سے نالاں مرد و زن

بھائی جان: (ڈر کر) رخشندہ مجسم رخشندہ ہوتی جا رہی ہے۔

بھابی: (متانت سے) آپ سلامت بھائی کو ڈھونڈنے چلے جائیے۔ چلے جائیے!

بھائی جان: اب جاتا بھی نہیں اور نہ برساتی۔

بھابی: پروا نہ کیجئے! مجھے یوں معلوم ہوتا ہے، جیسے آپ بھی باہر سے واپس نہیں آ

ؔ کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند   از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند   (مولانا روم مثنوی)

اگر سلامت بھائی آگئے تو میں سمجھوں گی آپ بھی آگئے۔

بھائی جان: میں چلتا ہوں، لیکن رخشندہ آنا فاناً چپ ہو گئی ہے، کیوں؟ آخر کیوں؟

بھابی: جیسے صدف نے گوہر کو نے کر اپنا منہ بند کر لیا ہے۔ میں کپڑے بدلتی ہوں، آپ اماں جان کو خبر کر دیجئے جا کے!

رخشندہ: میں کپڑے نہیں بدلنے دوں گی (ننھے میاں داخل ہوتے ہیں۔ طوفان کی آواز آتی ہے)

ننھے میاں: (ہانپتے ہوتے، غصے کے اظہار میں) میں سر سے پاؤں تک بھیگ آیا ہوں۔ میں کہتا ہوں یہ کیا بیہودگی ہے؟

بھائی جان: بیہودگی کیا؟

بھابی: سلامت بھائی نہیں ملے؟

ننھے میاں: میں چوک سے پرے نہیں گیا کہ چھاتا اُلٹ گیا۔ برساتی پہ قناعت کی لیکن اس میں بھی کپڑے بھیگ گئے۔ آپ باہر طوفان نہیں دیکھتے؟ (غصے میں) یہ آپا رخشندہ کی سراسر زیادتی ہے اب میں خواہ مخواہ نمونیہ میں مبتلا ہو جاؤں۔

بھابی: ننھے میاں تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہونے کا۔

ننھے میاں: لیکن یہ کتنی بدتمیزی ہے۔ ذاتی طور پر میں تو زندگی بھر ایسی لڑکی سے شادی نہ کروں جو اپنے شوہر کو اتنی بھی آزادی نہ دے سکے کہ وہ ایسے میں باہر ٹھہر جائے۔

بھائی جان: حظرہ حادثہ کا ہے چھوٹے میاں۔

بھابی: ہاں، حادثے کا ہی ہے ورنہ!

ننھے میاں: اگر سلامت بھائی کا بال بھی بیکا ہو تو آپ مجھ سے بھر لیں

رخشندہ: (آنا فاناً) ہیں میرے ٹیپو سے نالاں مرد و زن

(ناچتے ہوتے) مرد و زن! مرد و زن! مرد و زن!!!

ننھے میاں: آپا کو کیا ہو گیا ہے۔ اماں کو بلاؤ ــــ فوراً ــــ اماں جان کو۔

بھائی جان: بیگم تم کپڑے بدل لو۔ ہم دونوں جاتے ہیں۔ (جاتے ہیں)

بھابی: آپا۔ آپا مجھے بخش دو۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تو مجسم روح ہے۔ روح! ہم سب جسم ہیں، جسم۔ ہم اس جسم سے کبھی اوپر نہیں اٹھتے۔

رخشندہ: بھابی...... وہ آرہے ہیں..... وہ آرہے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے ولی راستہ میں بیٹھے ہیں اور میں بھاگی جا رہی ہوں......

بھابی: آپا...... آپا...... اپنے مبارک قدموں پر مجھے اپنی گناہ آلود جبین رگڑنے دو۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تو ـــــــ

(آپا جان، دولہا بھائی، بھائی جان اور اماں جان اور گھر کے بہت سے آدمی بھاگے ہوئے آرہے ہیں۔ سب کے سب سخت گھبرائے ہوئے ہیں)

اماں جان: رخشی! رخشی بیٹا! (چیخ مار کر) ہائے!

آپا جان: رخشی! رخشی!!

دولہا بھائی: رخشندہ ہیں سچ مچ؟

آپا جان: اماں۔ رخشی کو مار ڈالنے کی میں ذمہ دار ہوں۔ اس کا خون میری گردن پر ہے۔ لیکن میں کیا جانتی تھی مینمنت کی ماری......

اماں جان: رخشی بیٹی! ہائے بیٹی! ایک دفعہ تو آنکھیں کھول کر دیکھ لے! (روتی ہے)

بھائی جان: (روتے ہوئے) رخشی!

ننھے میاں: (بلند آواز میں) آپا!

اماں جان: بیٹی ـــــ بیٹی!!

رخشندہ: (نہایت کمزور آواز میں) اماں!

بھابی: اماں جان، آپ کی بیٹی کوئی ولی اللہ ہے۔ اس کے چہرے کا جلال نہیں دیکھتیں آپ؟

دولہا بھائی: تم عورتیں کتنی ضعیف الاعتقاد ہو۔ اسے سردی لگ گئی ہے اور بس۔

آپا جان: کمبل اوپر کر دو۔ ہائے میں نصیبوں جلی!

بھائی جان: (نوکر کو آواز دیتے ہوئے) کرامت۔ اے کرامت۔ وہ انگیٹھی سرکاتا

اماں جان: دودھ کا ایک گھونٹ ہے کہیں.....

بھابی: ماں اماں جان میں رات چولہے میں ایک گلاس رکھ آئی تھی۔ دودھ لا دو ننھے میاں (ننھے میاں جاتے ہیں)

اماں جان: رخشی، کیوں کیا ہوا میرے بیٹے کو؟

رخشندہ: (روپیسے ہی نحیف آواز میں) اماں مجھے میرے کمرے میں لے چلو۔

اماں جان: (لڑکی کی جگہ غصہ لے لیتا ہے) آج آنے سلامت۔ میں اس کی وہ خبر لوں گی کہ یاد کرے گا۔ میں نے آج تک اپنے کسی لال کو کچھ نہیں کہا تھا۔ لیکن آج میں نے اس کے بال نہ نوچ ڈالے تو....

بھائی جان: واقعی یہ کیا بدتمیزی ہے کہ.....؟

دولہا بھائی: ارے رہنے دو یار۔ اس بے چارے کو کیا معلوم کہ رخشندہ اتنی پاگل ہے؟

آپا جان: لیکن ایسا بھی کیا؟ آپ اپنے رات کے سیر سپاٹوں کا جواز پیدا کر رہے ہیں تو علیحدہ بات ہے۔

بھائی جان: مانا باہر ٹھہر گئے۔ لیکن اطلاع تو ہو۔

بھابی: باہر ٹھہر ہی کیوں گئے بھلا؟

ننھے میاں: اماں جان۔ یہ لیجئے گرم گرم دودھ حلق میں ٹپکا دیجئے۔ اس چمچے سے۔

اماں جان: رخشی بیٹا!

رخشندہ: اماں جان اس تھوڑے سے عرصے میں میں سب حقیقتوں سے واقف ہو چکی ہوں۔ سب حجاب اُٹھ چکے ہیں۔

بھابی: روح کو جسم کو بیماری سہنا ہی پڑتی ہے۔

رخشندہ: بس کسی پر الزام نہیں دھرتی بھابی۔ یہ اپنے ہی لینے دینے کے سمبندھ ہوتے ہیں پھر ہماری روح بھی تو جسم کا ملبہ دکھا دیتی ہے اماں! ادھر آ یئں ہیں یا نہیں؟

اماں جان: اللہ جانے کہاں عاقبت کے بوریئے بٹور رہا ہے۔

رخشندہ: تو مجھے طفل تسلیوں پہ جینے دو اماں۔ تم میری شادی کا ذکر کرو۔ میری شادی کا۔

اماں جان: شادی کا؟

رخشندہ: تم لوگ میرے ارد گرد مت کھڑے ہو جاؤ ــــ ہاں اماں جان! شادی کا!

آپا جان: رخشی ......

بھائی جان: رخشی!

منجھلے میاں: آپا! (سسکیاں لیتا ہے)

اماں جان: ابھی کل کی ہی تو بات ہے تمہاری شادی، تمہارے ابا نے شادی ٹھہرائی۔

(ایک معنی خیز وقفہ جس میں اماں جان کے ضبط کا احساس ہوتا ہے) منگنی کی۔ سامان درست کیا، اور اپنی بیٹی کو مانجھے بٹھایا۔

رخشندہ: پھر کیا ہوا۔ اماں مجھے وہ دن یاد آ رہے ہیں! اور جی میں ایک خط سا محسوس ہو رہا ہے۔ کیوں اماں ــــ

اماں جان: کچھ دن کے بعد سانچق آئی۔ چڑھاوا چڑھا۔ پھر تمہارے گورے گورے خوبصورت ہاتھ مہندی میں رنگے گئے۔ دیکھو میری دلہن کے ناخنوں میں اب تک مہندی کا رنگ ہے!

رخشندہ: کہاں ......؟ (جیسے اپنے ناخن دیکھ رہی ہے) میری انگلیوں کی پوریں تو زرد ہیں، بالکل زرد!

اماں جان: چل ہٹ ــــ پگلی ہوتی جاتی ہے کیا؟

آپا جان: (سسکیاں لیتے ہوئے) رخشی ہائے!

اماں جان: اری تو کیوں رونے لگی؟ یہ بڑا اولا سا دینے آئی تھی۔

آپا جان: میں آپ کی مجرم ہوں ـــــ اماں!

اماں جان: بڑی کو پرے لے جاؤ- بیٹا (رخشی سے) رخشی بیٹا!

رخشندہ: پھر کیا ہوا؟

اماں جان: پھر بارات آئی- دروازے پر دھا چوکڑی مچی- سمدھنیں نئے جوڑے پہنے ہوئے اُتریں- ادھر گالیوں کی بارش ہوئی- ادھر ڈومنیوں نے گا گا کر ناچا اور ناچ ناچ کر گایا-

بھائی: (روتے ہوئے) اماں مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا!

ننھے میاں: روتے ہوئے) کیا ہو گیا ہے آپا کو اماں؟

اماں جان: خاموش! (آواز میں رقت ہے) پھر تمہارا نکاح پڑھا گیا گوری گوری ناک میں سیک سی ہیرے کی کیل- ہاتھ میں کڑے- پاؤں میں چھڑے- چھم چھم کرتی ہوئی چلیں تم-

رخشندہ: اماں کتنا اچھا دن تھا!

بھائی جان: او اماں جان میرا دل بیٹھا جا رہا ہے!

رخشندہ: اماں تمہارا بھی بیاہ ہوا تھا اسی طرح؟

اماں جان: (معنی خیز خاموشی) ـــــ (ہچکی)

رخشندہ: اماں جان بولتیں نہیں؟ منہ سے دوپٹہ اٹھا دو- تاکہ میں تمہارا مُنہ اچھی طرح سے دیکھ سکوں-

اماں جان: (رو کر) ہاں بیٹی- اسی طرح ہوا تھا اسی طرح

رخشندہ: لیکن اب؟

اماں جان: اب کیا؟ (اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہوئے) اب کچھ بھی نہیں (گھبرا کر اور اپنے فقرے کے معنی سمجھتے ہوئے) اب سب کچھ ہے (محبت سے) بیٹا یہ دیکھو

اب میرے ہاتھوں کا حنائی رنگ تمہارے ہاتھوں پر نظر آ رہا ہے!

رخشندہ: اماں تم کتنی فراخ دل ہو۔ میں تو کبھی اپنا رنگ کسی کو نہ دوں۔

اماں جان: (رک کر) دراصل کوئی عورت اتنی فراخدل نہیں ہوتی۔ لیکن اچھا۔ اب تم سو جاؤ۔ آرام تمہارے حق میں مفید ثابت ہو گا۔

رخشندہ: اماں جان میں سمجھتی ہوں۔ میں سب کچھ سمجھتی ہوں۔ مجھے میرے کمرے میں چھوڑ آؤ میں آرام سے سو جاؤں گی..... میں ناحق تم لوگوں کی پریشانی کا باعث ہو رہی ہوں۔ لیکن میں کیا کروں۔

(سب چلے جاتے ہیں) ..... (وقفہ)

اماں جان: تو یہیں بستر پر لیٹ جاؤ۔ (سامنے بستر پر لٹا دیتی ہیں۔ ایک طرف سے "آپ" داخل ہوتے ہیں —— آپ نیم غنودگی کی حالت میں ہیں)

آپ: کوئی ہے؟ پیاس لگ رہی ہے۔

اماں جان: اسے سلامت!

دولہا بھائی: سلامت!

آپا: سلامت بھائی۔

بھائی جان: بھائی جان آپ یہیں تھے؟

(سب بھونچکا رہ جاتے ہیں)

رخشندہ: (اُٹھتے ہوئے) آپ؟ ... آپ؟ ..... آپ کہاں تھے؟ (پھوٹ پڑتی ہے) کہاں تھے آپ؟

آپ: میں یہیں تھا۔ کیوں کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟ تم سب لوگ پریشان کیوں نظر آتے ہو؟ رخشندہ کیوں موت کی طرح زرد نظر آ رہی ہے؟

رخشندہ: آپ یہاں نہیں تھے۔ آپ یہاں نہیں تھے۔

آپ: میں اور کہاں تھا رخشندہ ؛ اتنے طوفان میں میں باہر کیسے جا سکتا ہوں ؟
رخشندہ: آپ کدھر چلے گئے تھے ؟
آپ: میں تم سے ایک ہاتھ کی دوری پر تھا اے مضطرب روح۔ میں ہمیشہ ایک ہاتھ کی دوری پر رہتا ہوں۔ لیکن تم مجھے پانے کے لئے اپنا ہاتھ نہیں پھیلاتیں
رخشندہ: یہ کیسے ممکن ہے (حیران ہو کر) ایک ہاتھ کی دوری پر فقط ایک ہاتھ
آپ: میں ہمیشہ تم سے ایک ہاتھ کے فاصلے پر ہوتا ہوں رخشی۔
رخشندہ: آپ......آپ نہیں ہیں۔ نہیں ہیں مجھے چھوڑ دو۔ میں انہیں ڈھونڈھنے جاؤں گی۔ انہیں ڈھونڈھنے جاؤں گی۔
(پھر ٹاکر چلی جاتی ہے۔ دروازہ کھلتا ہے اور بھگدڑ سی مچ جاتی ہے گھر کے سب مرد رخشندہ کے پیچھے دوڑتے ہیں)
اماں جان: میری بیٹی!
دولہا بھائی: (بھاگتے ہوئے) رخشندہ! رخشندہ!!
بھائی جان: (بھاگتے ہوئے) رخشندہ!
ننھے میاں: (روتے ہوئے) آپا!
بھابی: (آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے) اوہ! میں تاب نہیں لا سکتی۔
آپا جان: (بستر پہ گرتے ہوئے) میرا گناہ ہے سب میرا گناہ۔
(دروازہ کھلنے پر طوفان کی ہیبت ناک آوازیں آتی ہیں۔ جن میں ان لوگوں کا شور شامل ہو جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد ایک چکا چوند پیدا کرنے والی روشنی نظر آتی ہے جس کے بعد اندھیرا چھا جاتا ہے ———)

(پردہ)

ہماری مطبوعات

آگ کا دریا	قرۃ العین حیدر
کارِ جہاں دراز ہے	〃
فصلِ گل آئی یا اجل آئی	〃
کوہِ دماوند	〃
گلگشت	〃
مضامینِ رشید	رشید احمد صدیقی
طنزیات و مضحکات	〃
آشفتہ بیانی میری	〃
بے جان چیزیں	راجندر سنگھ بیدی
ہاتھ ہمارے قلم ہوئے	〃
بیدی کے افسانے	〃
لاہور کا جو ذکر کیا	گوپال متل
خوشبو کا بدن	عصمت چغتائی
دو ہاتھ	〃
پطرس کے مضامین	پطرس بخاری
پطرس کے خطوط	〃
تنقیدی مضامین	〃
اس نے کہا	خلیل جبران
خدا اور دیوتا	〃
زرد پتے	〃
جوانی اور محبت	〃
مجرم	〃
پاگل	〃
کرنیں	شفیق الرحمٰن
تعمیرِ حیات	ڈیل کارنیگی
رات چور اور چاند	بلونت سنگھ
ایک گدھے کی سرگزشت	کرشن چندر
پھول کی تنہائی	〃
محبت کی رات	〃
الٹا درخت	〃
زیرِ لب	صفیہ اختر
حرفِ آشنا	〃
وہ صورتیں الٰہی	مالک رام
ذکرِ غالب	〃
نقوشِ زنداں	سجاد ظہیر
آتشِ گل	جگر مراد آبادی
کلیاتِ جگر	〃
تلخیاں	ساحر لدھیانوی
کلیاتِ ساحر	〃
کلیاتِ شکیل	شکیل بدایونی
ہزار داستان	فراق گورکھپوری
روحِ کائنات	〃
گلِ نغمہ	〃
رباعیات عمر خیام	عمر خیام
اردو کی بہترین غزلیں	مرتبہ پرکاش پنڈت
لذیذ پکوان	شائستہ کوثر